جلد 11 شمارہ 5 مارچ 2009ء ربیع اوّل 1430ھ

ماہنامہ

منشور دعوت

يُولِجُ الَّيۡلَ فِیۡ النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِیۡ الَّيۡلِ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ كُلٌّ يَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ط ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ لَهُ الۡمُلۡكُ ط وَالَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مَا يَمۡلِكُوۡنَ مِنۡ قِطۡمِيۡرٍ ؀

(فاطر۔13)

وہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ اور اُسی نے سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا ہے۔ ہر ایک وقت مقرر تک چل رہا ہے۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ اُسی کی بادشاہی ہے۔ اور جن کو تم اُسے چھوڑ کر پکارتے ہو اُن کی ملکیت میں تو کھجور کی گُٹھلی کا چھلکا بھی نہیں ہے۔

ماہنامہ
آدمیت
گوجرانوالہ
سرفلاح
عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
Mob: 0300-6493335

مدیر : احمد رضا
نائب مدیر : پروفیسر محمد احمد شاؔد
تقسیم کنندہ : میاں علی رضا
ڈیزائننگ اینڈ کمپوزنگ : محمد رفیق
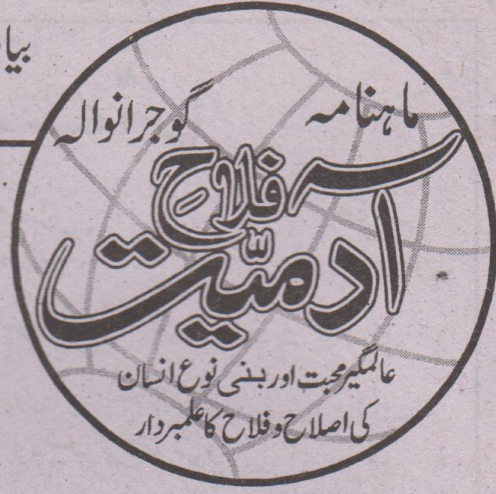
شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ کے لئے

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ)
وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835
055-3003304

رابطہ مدیر: 0321-6400942
فیکس نمبر: +92-55-3736841
ای میل: info@toheedia.net

مجلس ادارت

خالد مسعود، پروفیسر منیر احمد لودھی
ائیر کموڈور (ر) اعجاز الدین
پیر خان، عتیق احمد عباسی
ایم طالب، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر غلام شبیر شاہد

قیمت شمارہ ——— -/20 روپے
سالانہ فنڈ ——— -/200 روپے

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

اس شمارے میں

دِل کی بات

تمام قارئین وسلسلہ توحیدیہ کے بھائیوں کو رحمۃ للعالمین ﷺ کی آمد کا مہینہ مبارک ہو۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کی زبوں حالی بحثیت اُمہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں۔ آج دنیا بھر میں ہماری خواری کی صرف ایک اور بنیادی وجہ ہمارے اندر "تعلق باللہ" یا دوسرے لفظوں میں ایمان کا نہ ہونا ہے۔ اتنی بات تو تقریباً ہر آدمی کرتا ہے مگر اس کا کوئی بھی ٹھوس حل بتانے سے قاصر رہتا ہے کہ جس سے تبدیلی لفاظی کی حد تک نہ ہو بلکہ عملی صورت میں نظر آئے۔ میں بذات خود ایسی اجتماعیتوں سے منسلک رہ چکا ہوں جو قرآن وسنت کے وارث ہونیکے دعویدار ہیں مگر عملی نتیجہ صفر ہے۔ انہوں نے اجتماعی انقلاب کیا برپا کرنا ہے وہ تو اپنی ذاتی زندگیوں میں بھی حقیقی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتے۔ کئی قسم کے تجربات کے بعد اب حقیقت منکشف ہوئی ہے کہ جب تک اللہ کی معرفت والے "مرد خود آگاہ" سے پالا نہیں پڑتا، سب کچھ فضول ہے۔ موجودہ دور میں ایک واحد یہی طریقہ نظر آیا کہ جو واقعی انسان کے اندر ایسی تبدیلی پیدا کر دیتا ہے جس کو حقیقی کہا جاتا ہے اور فرد چونکہ معاشرے کی اکائی ہے اس لئے اسکی تبدیلی درحقیقت معاشرے کی تبدیلی کہلائے گی اور بتدریج تمام معاشرہ اُسی رنگ میں ڈھل جائیگا۔ آج کے دور میں دین کے علمبردار، نام نہاد گروہوں نے "صحبت کامل" کو گئے گزرے دور کا قصہ سمجھ رکھا ہے اور اپنے تئیں قرآن وسنت کا پرچار کر رہے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے دینی طبقات کتابیں پڑھ پڑھ کر لفظوں اور عربی گرامر کا ہیر پھیر تو کافی حد تک کر لیتے ہیں مگر اِسکے اندر "روح" اور "اثر" ندارد۔ اِسکی مثال ہم سیرت النبیؐ سے بخوبی لے سکتے ہیں۔ آپؐ کے دور میں کتنے صحابی تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے؟ کیا اِنکے پاس بہت بڑے بڑے کتب خانے تھے کہ دن رات علمی گتھیاں سلجھا کر اللہ کو راضی کرتے تھے؟ ایسا کچھ بھی نہیں تھا بلکہ صرف اور صرف "مجلس اور صحبت" آپؐ کے جانثاران جنکے متعلق اللہ نے راضی ہونیکا سرٹیفکیٹ دنیا ہی میں دے دیا۔ آپؐ کی مجلس میں بیٹھتے تھے آپ کے ساتھ نمازیں پڑھتے، سفر کو جاتے، جنگ کرتے آپ کے اشارہ ابرو کے منتظر رہتے اور سب سے بڑھکر آپؐ سے محبت کرتے۔ بس اتنا کام تھا اُن کا مگر اس کا نتیجہ سو فیصد تھا۔ آپؐ کے بعد آپؐ کا فیض

آپکے ساتھ محبت کرنے والوں کے ذریعے سینہ بہ سینہ منتقل ہوا ہے نہ کہ کتابوں کے ذریعے۔ یہی فیض ہے کہ جسکی بدولت ہم حقیقی انفرادی و اجتماعی تبدیلی لا سکتے ہیں۔ ہمیں اپنے اردگرد ایسے اللہ والے تلاش کرنے چاہیں جو ہمارا قلبی تعلق اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جوڑ دیں اور یہ کوئی لفاظی نہیں بلکہ حقیقت اور جسے کہتے ہیں (ہڈ بیتی) ہے۔ ایسی ہی کامل سنگت کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے۔

دم عارف نسیم صبح دم ہے
اِسی سے ریشہ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیبؑ آئے میسر
تو شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

یعنی اللہ کی پہچان (نہ کہ کتابوں کی) رکھنے والے "عارف" کی بات میں ہی اثر اور معنی ہوتا ہے، اِسکے الفاظ بے رُوح نہیں ہوتے بلکہ وہ صبح کو چلنے والی ہوا کی طرح رُوح کو اللہ کی محبت کی تازگی بخشتے ہیں اور حضرت موسیٰؑ کو جب حضرت شعیبؑ کا ساتھ میسر آیا تو ایک چرواہے سے آپکا درجہ "کلیم اللہ" ہو گیا۔

اللہ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام "طالبانِ حق" کو ایسی کامل محبت نصیب فرمائے۔ جو اُنکی روح کو اندھیروں سے نکال کر اللہ کی معرفت کی روشنی میں لے جائے۔

والسلام

احمد رضا

حمدِ ربِ جلیل

ترا در ہے درِ رحمت، تری سرکار عالی ہے
گدا تو ہے گدا تیرا، شہنشاہ بھی سوالی ہے
رحیمی بھی مثالی ہے، کریمی بھی مثالی ہے
نہیں جس کا کوئی جگ میں، سدا اسکا تو والی ہے
اگر سمجھے بشر خود کو کہ اعلیٰ ہے وہ عالی ہے
یہ ہے درماندگی اس کی، یہی خستہ خیالی ہے
کرم تیرا انوکھا ہے، غضب تیرا نرالا ہے
کہیں پر تو جمالی ہے، کہیں پر تو جلالی ہے
چمک مہرِ منور کی، دمک ہے ماہ و اختر کی
تو ہی صبحوں کی نکہت ہے، تو ہی شاموں کی لالی ہے
شہادت تری صنعت کی، ہمیں دیتا ہے ہر لمحہ
چمن کا جو بھی غنچہ ہے، شجر کی جو بھی ڈالی ہے
نوازا تونے عالم کو، سبھی ہیں شادؔ اے مولا!
کرم مجھ پر بھی ہو جائے، مری جھولی بھی خالی ہے

(پروفیسر محمد احمد شادؔ)

نعتِ رسول مقبول ﷺ

ترے نقشِ پا کے بغیر ہے، نہ قلندری نہ سکندری
ترے راستوں کی ہے دھول میں، کبھی رہبری، کبھی سروری

تری عظمتوں کا جواب کیا؟ تیری رفعتوں کا حساب کیا؟
تری شان میں تو جھکی رہی، کبھی خسروی، کبھی قیصری

ترے مرتبے کو جو پا سکے، ترے ''زمزمے'' جو سنا سکے
نہ خیال اتنا بلند ہے، نہ ملی ہے ایسی سخنوری

تو چمن چمن کی بہار ہے، تو گل و سمن کا وقار ہے
تو دل ونظر کا قرار ہے، تجھے زیب ہے کبھی دلبری

تو خدا کا خاص ہے رازداں، ہیں تجھی پہ دونوں جہاں عیاں
نہ کسی کا ایسا مقام ہے، نہ کسی کی ایسی پیغمبری

تری یاد، یادِ حسین ہے، ترا داغ، دل کا نگین ہے
ترے سوز ہی میں ہے سرخوشی، ترے ساز ہی میں ہے زندگی

ہے بجا کہ سب کے حبیب ہو، کبھی شاد کو بھی نصیب ہو!
ترے گھر کی تھوڑی سی نوکری، ترے در کی تھوڑی سے چاکری

(پروفیسر محمد احمد شادؔ)

درسِ قرآن

﴿ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک﴾

سورۂ بنی اسرائیل

☆ پانچواں حکم: میانہ روی

ولا تجعل یدك مغلولة الی عنقك ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورًا o

''اور نہ تم اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ ہی اِسے بالکل کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ''۔ (بنی اسرائیل:29)

اِس آیت میں محاورۃً بات کہی گئی ہے کہ نہ تو تم بالکل ہی بخیل بن جاؤ کہ کسی ضرورت مند کو بھی نہ دو اور نہ بلا وجہ خرچ اور اسراف کے باعث معاشی بدحالی کی راہ اپنے لئے کھولو۔ گویا کہ اس آیت میں اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیا گیا ہے۔

کیونکہ رزق اللہ تعالیٰ کی نعمت اور عطیہ ہے، اس کو اس کے احکام کے مطابق ہی خرچ کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ اپنے بندوں کے حالات اور ضرورتوں سے بخوبی آگاہ ہے، اس لئے وہ ایسے احکام دیتا ہے جو بندوں کی فطرت کے عین مطابق ہوں۔

☆ چھٹا حکم: مُفلسی کے باعث اولاد کو قتل نہ کرنے کا حکم

ولا تقتلوا اولادکم خشیة اِملاق o

''اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو'' (بنی اسرائیل:31)

قدیم زمانے کے لوگ افلاس کے خوف سے اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔ اُمّتِ محمدیہ کو اس قبیح کام سے روکا گیا بلکہ خاص طور پر آپؐ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ

''ایسی عورتوں کے ساتھ شادی کرو جو محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی ہوں تاکہ میں کل صبح قیامت کے دن اپنی اُمت کی کثرت پر فخر کرسکوں''۔

اس سائنسی اور میڈیا کے دور میں برتھ کنٹرول کے لئے کئے جانے والے اقدامات اور اس

کی تشہیر کے بارے میں بحیثیت مسلم ہمیں غور کرنا چاہیے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم ادارے تیسری دنیا خصوصاً مسلم ممالک میں برتھ کنٹرول کے ذریعے اُمّتِ مسلمہ کی تعداد کو محدود کرنا چاہتے ہیں جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں اس کا تصور تک نہیں۔ جہاں تک افلاس او روسائل کی کمی کا معاملہ ہے، باری تعالیٰ کا اِس بارے میں ارشادِ مبارک ہے:

نحن نرزقھم و ایاکم۔

''ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں''۔ (بنی اسرائیل:31)

☆ ساتواں حکم: زنا سے بچو

ولا تقربوا الزنی انه کان فاحشة

''زنا کے قریب مت جاؤ کہ یہ بے حیائی ہے''۔ (بنی اسرائیل:32)

اِس آیت کریمہ میں ارشاد نہیں فرمایا کہ ''زنا مت کرو'' بلکہ فرمان یہ ہے کہ زنا تک پہنچانے والے تمام اعمال اور راستوں کے بھی قریب نہ جاؤ کیونکہ اس راہ کی جانب قدم اُٹھانا ہی برائی اور بے حیائی ہے۔ اس سلسلہ میں حد یعنی سزا کا ذکر سورۃ النور میں ہے۔

☆ آٹھواں حکم: قتل و غارت سے بچو

ولا تقتلوا النفس التی حرم اللّٰہ الا بالحق ۔(بنی اسرائیل:33)

''اور جس جاندار کو مارنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے تم اس کو نہ مارو سوائے حق کے''۔

اس سے قبل سورہ بقرہ میں قتل کی سزا کا ذکر ہو چکا ہے۔ یہاں ایک بات کا اضافہ ہے کہ ''حق کے ساتھ قتل کا جواز ہے'' کیونکہ ہر جان اللہ کے ہاں محترم ہے۔ البتہ قصاص، رجم، ارتداد وغیرہ کے مواقع پر جہاں شریعت نے اجازت دی ہے، حکم علیحدہ ہوگا۔

☆ نواں حکم: یتیم کے مال کی حفاظت

ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن۔

''یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، علاوہ اس راستے کے جو بہتر ہے''۔ (بنی اسرائیل:34)

سورۂ نساء میں اس کی تفصیلات بیان کی جاچکی ہیں۔

☆ دسواں حکم: ایفائے عہد

اوفوا بالعهد ان العهد کان مسٔولاo (بنی اسرائیل:34)

''وعدے کو پورا کرو کیونکہ وعدے کے بارے میں ضرور باز پرس ہوگی''۔

ایفائے عہد کا مسئلہ انفرادی اخلاقیات کا نہیں بلکہ قومی، ملکی اور اجتماعی معاملات بھی اس کی زد میں آتے ہیں۔ اس مسئلے پر ہم پاکستانیوں کو خصوصاً غور کرنا چاہیے کہ من حیث القوم ہم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس برصغیر کی تقسیم کے وقت کیا عہد کیا تھا؟ اور اگر ہم نے ایفائے عہد نہیں کیا اور یقیناً ہم ایسا نہیں کر سکے تو ہم اللہ کے حضور کس طرح جواب دہی کیلئے کھڑے ہو سکیں گے؟

☆ گیارھواں حکم: ناپ تول پورا کرنا

واوفوا الکیل اذا کلتم وزنوا بالقسطاس المستقیمo

''اور جب کوئی چیز ماپ کر دینے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو اور جب تول کر دو تو ترازو سیدھی رکھو''۔ (بنی اسرائیل۔35)

سورۃ الاعراف میں قوم شعیب کی تباہی کے اسباب کے ذیل میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ وہ قوم ناپ تول میں کمی کے گناہ کی پاداش میں ہلاک کی گئی تھی۔ کیونکہ یہ معاملہ فرد کا نہیں بلکہ پورے معاشرے اور حکومت کا بھی ہے کہ وہ تجارت میں گاہک اور دوکاندار کے درمیان لین دین اور ماپ تول کے نظام کو عدل و توازن کی بناء پر درست رکھے اور یہ اجتماعی خوشحالی کیلئے بنیاد ہے۔

☆ بارھواں حکم: اعضاءِ رئیسہ (کان، ناک اور دل) کی حفاظت

ولا تقف ما لیس لك به علم۔ ان السمع والبصر والفواد کل أُولئك کان عنه مسٔولاo

''کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہوگی''۔ (بنی اسرائیل:36)

اس آیت میں جو ہدایت ہے، اس کے ذریعے معاملات زندگی میں ان تمام خرابیوں کا انسداد کیا گیا جو یقینی علم کی بجائے ظن و تخمین کی بناء پر پیدا ہوتی ہیں۔ گویا عمومی زندگی میں افواہیں

پھیلانے، تہمت والزام تراشی کرنے اور غیبت و بدگمانی سے بچنے کا حکم ہے نیز اعتقادی معاملات میں اوہام پرستی کی بھی بیخ کنی اسی سے ہوتی ہے۔

☆ تیرہواں حکم: اِترا کر نہ چلو

ولا تمش فی الارض مرحا اِنك لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولاo (بنی اسرائیل:37)

''زمین پر اکڑ کر نہ چلو کیونکہ تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو''۔

متکبرانہ چال ڈھال اور اکڑ کر چلنے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ حکم زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے کہ چال ڈھال، لباس و پوشاک، سواری اور مکان الغرض ہر شے میں انکساری اور عاجزی ہونی چاہئے۔

اِن احکام کے ذکر کے بعد ایک عمومی قاعدے کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہی گناہ کے کام نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی ہر وہ چیز جس میں برائی اور کراہت کا کوئی شائبہ پایا جاتا ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے اور یہ ساری باتیں جو انسانیت کی معراج تک پہنچانے والی ہیں، نبی کریم ﷺ پر وحی کی گئیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ذٰلك مما اوحی الیك ربك من الحکمة۔(بنی اسرائیل:39)

''یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو تیرے رب نے تیرے اوپر وحی کی ہیں''۔

☆ کائنات کی تسبیح و تحمید

عام انسانی زندگی میں عظمت و بلندی تک لے جانے والے اعمال کے ذکر کے بعد شرک کی قباحت تفصیلاً بیان کی گئی اور قرآنِ کریم نے اس بات کو مختلف انداز اور پیرایوں میں ذکر کیا اور پھر ایک لطیف سی بات کہی کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی حمد و ثنا تو کائنات کی ہر چیز کرتی ہے۔

وان من شیء الا یسبح بحمده ولکن لا تفقهون تسبیحهم۔

''اور مخلوقات میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان

کی تسبیح نہیں سمجھتے''۔ (بنی اسرائیل۔44)

کائنات کی ہر چیز، ساتوں ارض و سما اور جو کچھ اس کے درمیان ہے، اللہ کی تسبیح حمد کے ساتھ بیان کررہی ہے لیکن ہم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں پاتے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کائنات میں انسان اور حیوان تو جاندار ہیں۔ انسان ذی عقل ہیں۔ حیوانات تو ذی عقل بھی نہیں۔ وہ کیسے تسبیح وحمد کرتے ہیں اور پھر دنیا میں ایسی چیزیں بھی ہیں جو بے جان ہیں مثلاً پتھر، جمادات، پانی، مٹی، ہوا، پہاڑ، سمندر یہ سب کیسے اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ صرف انسان وہ مخلوق ہے جس کو اللہ نے سوچ، ارادہ اور عمل کی آزادی دی ہے، چاہے اللہ سے محبت واطاعت کرے اور چاہے نافرمانی۔ لیکن دنیا کی باقی چیزیں اس طرح آزاد نہیں ہیں۔ وہ نظامِ فطرت کی پابند ہیں۔ سورج کی مجال نہیں کہ وہ وقت سے ایک سیکنڈ پہلے طلوع یا غروب ہو۔ ستاروں کی مجال نہیں کہ وہ اپنے مدار سے اِدھر اُدھر ہو جائیں بلکہ وہ ہر وقت اللہ کی اطاعت کررہے ہیں اور اطاعت کا نام ہی عبادت ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآنِ مجید ایسی بات کہنا چاہتا ہے کہ جس طرح ہم تسبیح وحمد پڑھتے ہیں۔ (سبحان اللہ وبحمدہٖ) اسی طرح یہ بے جان چیزیں بھی سبحانَ اللہ وبحمدہٖ پڑھ رہی ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ بے جان چیزیں بھی جاندار رہی ہوں اور قرآنِ مجید ایسی ہی بات کہہ رہا ہے کہ تسبیح وحمد کے معاملہ میں یہ بے جان بھی جاندار ہیں۔

☆ سائنسی تحقیق کی مشکلات

اس دور کی سائنس پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اس سائنس نے ہمیں مشکل میں ڈال دیا ہے۔ پہلے سائنس دان یہ ثابت کرتے رہے کہ یہ جسم صرف مادہ (Matter) ہی نہیں بلکہ اس میں روح بھی ہے۔ اہلِ منطق اور فلسفہ نے روح کو ثابت کرنے کیلئے بہت سے دلائل دیئے لیکن 20ویں صدی میں یہ مشکل درپیش ہے کہ روح کا وجود تو ثابت ہوگیا مگر مادے کا وجود ثابت نہیں ہو رہا اور ہم ایک نئی مشکل میں پھنس گئے۔ اگر ہم کسی بھی مادی چیز کا تجزیہ

(Analysis) کریں تو ایٹم بچے گا اور ایٹم کی تحلیل سے الیکٹران اور پروٹان ۔مادہ تو ختم ہو گیا اور برق پارے درمیان میں آ گئے ۔انرجی، روح، (Soul) قوت، طاقت (Spirit) آ گئی۔ ہر چیز کی اصل بنیاد ایٹم اور ایٹم کی بنیاد الیکٹران اور پروٹان ہے گویا اصل وجود انرجی کا ہے۔مادہ (Matter) کا وجود تو ایک مظہر ہے۔اس لحاظ سے دنیا کی کوئی چیز بھی بے جان نہیں۔اگر انسان کے وجود کو تحلیل کریں تو بھی الیکٹران اور پروٹان ہی رہ جائے گا۔سونے کی تحلیل کریں تو وہ بھی الیکٹران اور پروٹان ہے۔حاصل یہ کہ نسبت کا فرق ہے۔ایک الیکٹران ہو اور 8 پروٹان ہوں تو ایک خاص چیز ایٹم بن جاتا ہے۔ایک الیکٹران اور 7 پروٹان ہوں تو کوئی اور چیز بن جاتی ہے۔ صرف نسبت بدلنے سے چیز بدل جائے گی۔گویا اصل چیز تو پروٹان ہیں اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے اور یہی انرجی، برق پارے یا طاقت کو ہم Soul بھی کہہ سکتے ہیں اور روح بھی۔گویا اصل وجود تو روح ہی کا رہ گیا اور مادہ کو وجود ختم۔اس لحاظ سے کوئی چیز بھی بے جان نہیں۔کوئی زیادہ جاندار ہے اور کوئی کم جاندار۔کسی کی انرجی زیادہ اور کسی کی انرجی کم۔صرف یہی فرق ہے۔ اور یہی قرآن کہہ رہا ہے کہ کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے خواہ وہ جاندار یا بے جان مگر وہ اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے، اس کی حمد کے ساتھ۔بات یہ ہے کہ ہم ان کی تسبیح کو نہیں سکتے۔

☆ حیات بعد الموت

اس کے بعد مشرکین کے آئندہ سوال کا جواب آسان اور واضح ہو گیا کیونکہ مشرکین مکہ کو مابعد الموت زندگی پر بڑا تعجب ہوتا تھا۔وہ کہا کرتے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جب ہمارے ذرّات خاک میں بکھر جائیں گے تو پھر ہم کو کس طرح دوبارہ زندہ کیا جا سکتا ہے۔

اس کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وقالوا ء اذا کنا عظاما ورفاتا ء انا لمبعوثون خلقا جدیدا○ قل کونوا حجارۃ او حدیدا○او خلقا مما یکبر فی صدورکم ۔ فسیقولون من یعیدنا۔ قل الذی فطرکم اول مرۃ○

''اور وہ کہتے ہیں کہ جب ہم صرف ہڈیاں اور خاک ہو کر رہ جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے

سے پیدا کر کے اُٹھائے جائیں گے؟ آپؐ (جواب میں) فرما دیجئے کہ تم پتھر یا لوہا یا اس سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز ہو جاؤ جو تمہارے ذہن کے مطابق (قبولِ حیات سے) بعید تر ہو پھر بھی اُٹھ کر رہو گے) وہ پوچھیں گے کہ کون ہے جو ہمیں پھر زندگی کی طرف پلٹائے گا؟ تو آپؐ فرما دیجئے کہ وہی جس نے پہلی بار تم کو پیدا کیا تھا''۔ (بنی اسرائیل:50-51)

☆ قرآن کا ایک اور سائنسی اعجاز

اس مقام پر قرآنِ کریم کا ایک اور اعجاز مشاہدہ کریں۔ کفارِ مکہ کا خیال تھا کہ انسان جب زمین میں دفن ہوتا ہے تو اس کا گوشت ذرّات میں مل جاتا ہے اور پھر ہڈیاں آہستہ آہستہ بوسیدہ ہو کر ذرات میں بکھر جاتی ہیں اور انہوں نے اِسی بنیاد پر سوال کیا مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم پتھر یا لوہا بن جاؤ تو بھی تم کو ضرور نئی زندگی دی جائے گی۔ اس وقت کوئی شخص یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کیا بات کہی جا رہی ہے؟ مگر دورِ حاضر کے سائنس دانوں نے جب تحقیق کی تو پتہ چلا کہ انسانی ہڈیوں کو اگر مخصوص درجہ حرارت میں مُدت دراز تک رکھا جائے تو ان میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ پتھر اور لوہا بن جاتی ہیں اور یہ بات قرآنِ کریم سینکڑوں برس قبل بیان کر رہا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ہم لوگ قرآنی اشارات پر غور و تدبر نہیں کرتے ورنہ سائنسی ایجادات کیلئے بے شمار اشارات اس کتابِ مبین میں موجود ہیں۔

☆ دعوتِ توحید

اس کے بعد پھر دعوتِ توحید کا ایک انوکھا اور نیا انداز ہے۔ ارشاد ہے:

قل ادعوا الذين زعمتم من دونه فلا يملكون كشف الضر عنكم ولا تحويلا ○ ان عبادى ليس لك عليهم سلطن أُولئك الذين يدعون يبتغون الى ربهم الوسيلة ايهم اقرب و يرجون رحمته و يخافون عذابه۔ اِن عذاب ربك كان محذورًا○

''آپؐ فرما دیجئے کہ جن کو تم اللہ کے سوا اپنا کارساز سمجھتے ہو، ذرا ان کو پکار کر تو دیکھو۔ وہ کسی تکلیف کو تم سے نہ ہٹا سکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں۔ جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ تو خود اپنے

رب کے حضور رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ تلاش کررہے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب (بنتا) ہے اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے خائف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے رب کا عذاب ہے ہی ڈرنے کے لائق''۔ (بنی اسرائیل:56-57)

قرآنِ مجید میں جس قدر اہتمام کے ساتھ توحید کو بیان کیا گیا ہے اور شرک کے زور کو توڑا گیا ہے، کسی اور موضوع پر اتنی گفتگو نہیں ہوئی۔

اب ایک چیلنج کے طور پر قرآن کہتا ہے کہ جن لوگوں کو تم پکارتے ہو، انہیں پکارو۔ ان سے کچھ مانگ کر دیکھو، مگر یاد رکھو وہ اپنی تکلیف ہٹانے پر قادر نہیں، چہ جائیکہ تمہاری فریادرسی کریں بلکہ وہ تو خود ہمارے عذاب سے ڈرتے ہیں اور ہمارے قُرب کا وسیلہ تلاش کررہے ہیں۔

یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ مجید مشرکوں کو جس شرک سے روک رہا ہے، وہ صرف پتھر کے بت نہیں بلکہ وہ اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خائف ہیں جو اللہ کے حضور رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ تلاش کررہے ہیں۔

گویا یہاں پر جاندار لوگوں کا ذکر ہے یا فرشتوں کا یا ان اولیاء اللہ کا جن سے ہم مرادیں مانگتے ہیں حالانکہ وہ ہمیں کچھ نہیں دے سکتے۔ اِن بیچاروں کو تو اپنی پڑی ہوئی ہے۔

اطلاع برائے برادران

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ اجتماع

بروز جمعہ، ہفتہ 10,11۔ اپریل 2009ء طے پاچکا ہے۔

تمام بھائی! قبلہ انصاری صاحبؒ کی تصانیف کا مطالعہ شروع کردیں۔

خرد چلی قدم قدم

محمد صدیق ڈار توحیدی

اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال کر حیاتِ ارضی کے لئے روانہ کرتے وقت یہ فرما دیا تھا کہ میری طرف سے آنے والی ہدایت کی پیروی کرو گے تو گمراہی اور خوف وحزن سے بچ جاؤ گے اور جو لوگ میرے رسولوں کی اطاعت نہیں کریں گے ان کے لئے تنگی کا جینا ہوگا اور آخرت کی زندگی میں انہیں سزا کے طور ر دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ چنانچہ بنی نوع آدم کی یاد دہانی اور رہنمائی کے لئے ہر قوم کی طرف انبیاء آتے رہے اور اس سلسلے کی آخری کڑی خاتم الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ کی ذات مبارکہ ہے جو پوری انسانیت کے لئے اللہ تعالیٰ کے رسول بن کر آئے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل جیسی عظیم نعمت سے نواز رکھا ہے لیکن تنہا عقل نہ تو حقائق کا ادراک کر سکتی ہے اور نہ ہی زندگی کی گتھیوں کو سلجھا سکتی ہے۔

وہ اپنے محدود دائرہ کار میں مادی قوتوں کی تسخیر کا ملکہ ضرور رکھتی ہے اور مظاہر فطرت پر تدبر و تفکر کر کے اسے ایک غیر مرئی کائنات اور اسکے خالق کی پر اسرار ہستی کا احساس بھی ہوتا ہے لیکن حریم کبریا اور حیات آخرت کے حقائق تک رسائی حاصل کرنا اس کے بس میں نہیں ہے۔ اس کے لئے بنی نوع انسان کی طرف انبیاء کا بھیجا جانا ضروری تھا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے درمیان واسطہ بن کر انہیں زندگی کے ازلی وابدی حقائق سے آگاہ کریں اور وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کی زندگی پر ایمان لا کر وحی الٰہی کی ہدایت کے مطابق دنیا میں امن وامان اور عزت واکرام سے زندگی بسر کریں اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر کے اس کی جنت میں داخل ہو سکیں انسان کی گذشتہ تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ جن انسانی گروہوں یا امتوں نے اللہ تعالیٰ، اسکے رسولوں اور حیاتِ آخرت پر ایمان لا کر اللہ تعالیٰ کے دستور کے مطابق زندگی گزاری وہ کامیاب و کامران ہو گئے اور جنہوں نے حاملین وحی کی مخالفت کرتے ہوئے نفس پرستی اور من مرضی کی روش قائم رکھی انہیں اللہ کے عذاب نے آ پکڑا اور پچھلی نسلوں کے لئے عبرت کا نشان بنا دیا۔

اللہ تعالیٰ کے دین کے دو بنیادی عقائد اللہ تعالیٰ کو کائنات کا خالق و مالک اور الٰہ و رب ماننا

اور موت کے بعد آخرت کے ناختم ہونے والی زندگی پر ایمان لانا ہیں۔تمام انبیاء نے ہر زمانے کے انسانوں کو ان حقائق پر ایمان لانے کی دعوت دی تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضاوالی زندگی اختیار کر کے آخرت کے عذاب سے بچ جائیں۔اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل کی جانے آخری کتاب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ معجزاتی اعلان فرمادیا کہ جن لوگوں کی عقلیں اللہ تعالیٰ سے دوری اور ان کی بدکرداری کی وجہ سے کند ہوچکی ہیں اور ان کی روحوں کے چراغ ذکرِ خدا کی غذا نہ ملنے کی وجہ سے بجھ گئے ہیں۔انہیں یہ ازلی حقائق بعید از قیاس معلوم ہوتے ہیں۔وہ یہ جان لیں کی عنقریب ایسے علمی انکشافات اور سائنسی اکتشافات ہونے والے ہیں جو اُن کے باطل نظریات کو مٹا کر رکھ دیں گے اور ان کی علمی پیش رفت ہی اللہ تعالیٰ اور حیات آخرت پر ایمان کا پیش خیمہ بن جائے گی لیکن اس وقت تک ان کم عقلوں اور کج فہموں کے پھیلائی ہوئی گمراہی کے سبب ان کے پیروکاروں کے کتنی ہی نسلیں اپنی دنیا و عاقبت برباد کر کے اس جہان فانی سے کوچ کر چکی ہوں گی۔اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی حقانیت پر ایمان لا کر نیکی کی راہ پر چلنے والے ہر دور کے انسان اس ذات سے بچ گئے اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہو گئے۔جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے وجود اور حیات آخرت کو قصئہ پارینہ سمجھا اور اس عارضی زندگی کی لذتوں میں ڈوب کر رہ گئے وہ زندگی کی تجارت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو گئے۔

آئندہ سطروں میں ہم یہ بیان کریں گے کہ طلوعِ اسلام سے اکیسویں صدی کے آغاز تک عقل و خرد نے صدیوں پر محیط سائنسی علوم کے حصول کا جو طویل سفر طے کیا ہے اس نے انسانی سوچوں میں کیا تبدیلی پیدا اور آج کا انسان قرآن کریم کی تعلیم اور حقائق کائنات کے کس قدر قریب ہو گیا ہے۔

1:۔تخلیق کائنات

اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء نے انسانوں کو اس بنیادی حقیقت کی طرف متوجہ فرمایا کہ پوری کائنات کو جس ہستی نے پیدا کیا وہ اللہ ہے۔وہی تمہارا مالک اور معبود ہے اور اس کی بندگی کرنے میں تمہاری ہی فلاح ہے۔دنیا کی یہ زندگی عارضی ہے اور اس کے بعد آخرت کی

زندگی ہے اور تم سب کو اللہ تعالیٰ کے ہاں واپس جانا اور اپنے اعمال کی جزا و سزا پانی ہے۔ اگر تم ہماری قیادت میں پاک صاف اور نیکی والی زندگی بسر کرو گے تو اللہ کی خوشنودی حاصل کر کے دنیا و آخرت میں کامیاب ہو جاؤ گے لیکن عقل و خرد کے دیوانوں اور مادی لذّات کے پروانوں نے اللہ تعالیٰ کے ان منتخب بندوں کی تعلیم کو ٹھکرا دیا۔ انہوں نے اپنی محدود سوچوں اور مختصر زندگی کے نامکمل مشاہدات کی بنا پر یہ سمجھ لیا کہ کائنات ہمیشہ سے ایسی ہی چلی آ رہی ہے اور ایسی ہی رہے گی اور اس کو کسی نے بھی پیدا نہیں کیا۔ یہ مادہ ازلی ہے اور کبھی فنا نہیں ہوتا بلکہ مختلف صورتیں بدلتا رہتا ہے۔ انسان کی پیدائش اور موت بھی مادے کی اثرات اور زمانے کی گردش حالات کے سبب واقع ہوتی ہے۔ یہ نظام اسی طرح چل رہا ہے اور یوں ہی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چلتا رہے گا۔ جب انسان علمی ترقی کرتے کرتے بیسویں صدی میں پہنچا تو سائنسدانوں نے ایٹم توڑ کر یہ ثابت کر دیا کہ مادہ فناہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح مادے کی ازلی و ابدی حیثیت والا نظریہ پاش پاش ہو گیا۔ اب پوری دنیا اس حقیقت کو تسلیم کر چکی ہے کہ مادہ فنا ہو کر توانائی کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور اسی طرح بہت ساری توانائی کثیف اور منجمند ہو کر مادہ میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ مشہور و معروف سائنسدان البرٹ آئن سٹائن جسے بیسویں صدی کا عظیم ترین انسان قرار دیا گیا ہے کی دی ہوئی مساوات (E=MC2) جو مادے اور توانائی کا باہمی تعلق ظاہر کرتی ہے علمی دنیا کی مشہور ترین مساوات مان لی گئی۔ ایٹمی دھماکے نے انسانی عقل پر پڑے ہوئے پردوں میں سے ایک پردہ اٹھا دیا اور اسے اپنی جولانیاں دکھانے کے لئے ماوراء الطبیعات کا ایک وسیع میدان عمل ہاتھ آ گیا۔ اب حال یہ ہے کہ نت نئے ہونے والے انکشافات نے عقل پرستوں کی عقلوں کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کی صداقت کے سامنے سر بسجود ہونے پر مجبور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

ایمان باللہ:۔

سب سے پہلے ہم دین کے اوّلین رکن ایمان باللہ کو لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا اقرار ہی تمام الہامی مذاہب کی بنیادِ اول ہے۔ مادہ پرستی اور دہریت کے اندھیروں میں بھٹکنے والے

سائنسدان اب اپنی علمی تحقیقات کے نتیجہ میں خدائے واحد کے قائل ہوتے چلے جارہے ہیں۔ اس سے قبل بڑے بڑے مادہ پرست سائنسدانوں کا موٴقف یہ تھا کہ اگر کائنات ازلی وابدی یعنی قدیم ہے اور ہمیشہ رہے گی تو پھر اس میں کسی خالق کے وجود کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔اس کے برعکس اگر یہ ثابت ہوجائے کہ کائنات حادث ہے یعنی کسی وقت پیدا کی گئی ہے تو پھر اسکو پیدا کرنے والی کسی ہستی کے وجود کو تسلیم کرنا لازم ٹھہرے گا۔اس سے بھی آگے بڑھتے ہوئے ایک ماہر ریاضیات وفلکیات مرلن گرانٹ سمتھ کا بیان ہے کہ ''اگر خدا ہے تو وہ صرف ہمارا پیدا کرنے والا ہی نہیں ہے بلکہ ہمارا مالک وآقا بھی ہے۔اس لئے ہمیں اس کے دونوں قسم کے پسندیدہ افعال واعمال کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہئیں یعنی ان افعال کے بارے میں بھی جن کا تعلق براہ راست خدا سے ہے اور ان کے بارے میں بھی جن کا تعلق ہم جنس انسانوں سے ہے''(بحوالہ کتاب ''خداموجود ہے'')

قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ دلیل دیتے ہوئے فرمایا ہے۔

☆اَفِی اللّٰہِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (ابراہیم۔204)

''کیا زمین اور آسمانوں کے پیدا کرنے والے اللہ کے وجود میں بھی شک کرتے ہوئے اب تو دہریہ قسم کے کئی سائنسدان اپنی علمی تحقیق کے دوران ہونے والے انکشاف کی وجہ سے نہ صرف خود وجود باری تعالیٰ کے قائل ہوچکے ہیں بلکہ دوسرے لوگوں کی راہنمائی کے لئے نہایت ہی مضبوط علمی عقلی دلائل بھی پیش کررہے ہیں۔

جان کلورو مونزما کی لکھی ہوئی امریکہ میں چھپنے والی ایک مشہور کتاب: ''The Existance of God in the Expanding Universe" اس کا بیّن ثبوت ہے جس میں مختلف شعبوں میں تحقیق کرنے والے اُن چالیس سائنسدانوں کے بیانات درج کئے گئے ہیں جو اپنی تحقیق کے دوران ہونے والے انکشافات سے اس قدر حیرت زدہ ہوئے کہ ان کے لئے ایک حَیُّ قیُّوم، حکیم وخبیر، عقلِ کُل، مدبّر و منتظم، خالقِ کائنات ہستی کا اقرار کئے بغیر کوئی چارہ نہ رہا۔یہ ایمان افروز کتاب پڑھنے کے لائق ہے اور اسکا اُردو ترجمہ ''خُدا موجود ہے'' کے

نام سے پاکستان میں بھی دستیاب ہے اور اسکا مقدمہ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کا لکھا ہوا ہے۔ تسخیر کائنات کے لئے کی جانے والی علمی تحقیق اور نئے نئے سائنسی اکتشافات نے انسانی ذہن کو نئی سوچوں سے آشنا کیا ہے۔ خاکسار تحریک کے بانی علامہ عنائت اللہ المشرقی نے اپنی مشہور عالم تصنیف ''تذکرہ'' میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ میں انگلینڈ میں کیمبرج یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا تو ایک اتوار کے دن بازار میں گھومتے ہوئے مجھے اپنے ایک پروفیسر نظر آئے جو ہاتھ میں بائبل تھامے کسی چرچ سے واپس آرہے تھے۔ میں نے انہیں سلام کیا اور کہا کہ آپ اتنے بڑے سائنسدان اور فطرت کے عالم ہونے کے باوجود مذہب پر یقین رکھتے ہیں۔ انہوں نے میرا نام پوچھا اور اگلے روز چائے کیلئے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ میں نے اپنے ہاسٹل جا کر دوستوں کے سامنے ڈینگ ماری کہ مجھے پروفیسر صاحب نے اپنے ہاں چائے پر بلایا ہے لیکن کسی نے میری بات کا یقین نہیں کیا کیونکہ وہاں تو پروفیسر کا بڑا اونچا اور منفرد مقام ہوتا ہے وہ بھلا ایک طالبعلم کو اپنے گھر کیوں بلائے گا۔ جب میں خوب تیار ہو کر مقررہ وقت پر چل پڑا تو میرے دو دوست بھی میرا جھوٹ سچ جاننے کیلئے میرے ساتھ ہو لئے۔ میں نے منزل پر پہنچ کر پروفیسر صاحب کا دروازہ کھٹکھٹایا تو انکی ملازمہ نے باہر آکر میرا نام پوچھا۔ جب میں نے بتایا کہ میرا نام عنائت اللہ ہے تو اسنے کہا کہ آجایئے پروفیسر صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ سن کر میرے دوست تو واپس لوٹ گئے اور میں اندر چلا گیا۔ پروفیسر صاحب نے چائے وغیرہ سے میری تواضع کی اور فرمایا کہ کل بازار میں آپ نے کیا بات کی تھی؟ جب میں نے اپنا سوال دہرایا تو پروفیسر صاحب نے اپنی قمیض کی آستین اوپر کرتے ہوئے فرمایا: ''مسٹر عنائت اللہ اِدھر دیکھو۔ جب سے میں سائنسی تحقیق کے میدان میں داخل ہوا ہوں خالق کائنات ہستی کی عظمت اور ہیبت مجھ پر اس طرح چھا گئی ہے کہ میرے بدن کے رونگٹے ہمہ وقت کھڑے رہتے ہیں۔'' میں انکی بات سن کر اور انکے کھڑے رونگٹے دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا اور مجھے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر اچھی طرح سمجھ میں آگئی بلکہ اسکا مشاہدہ ہو گیا۔

☆اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ

غَفُوْرٌ oط (فاطر 28)

''بے شک اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں۔ بے شک اللہ غالب اور بخشنے والا ہے''

یہی وجہ ہے کہ مطالعۂ فطرت اور کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی آیات میں تدبر و تفکر کرنے کے بارے میں قرآن کریم میں سات سو بھی زیادہ مرتبہ حکم دیا گیا ہے تا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور عظمت کو سمجھتا ہوا آگے بڑھتا چلا جائے اور اس کی معرفت اور محبت کی منزل کو حاصل کر لے۔

2:۔آخری کتاب اور آخری رسولؐ

قرآن کریم خالق کائنات کی طرف سے اتاری گئی وہ آخری کتاب ہے جو قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کے لئے منبع نور اور سر چشمۂ ہدایت ہے تا کہ وہ زندگی کی غرض و غایت جان کر اپنے عقائد و اعمال درست کر لیں اور فلاح پا جائیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی واحدانیت اور ربوبیت کی شان بیان کی ہے وہاں انسانوں پر کی جانے والی ان گنت نعمتوں کا بھی بار بار ذکر کیا ہے تا کہ اس کے لطف و کرم کا احساس کرتے ہوئے اس کی دعوت قبول کر لیں۔ اس ضمن میں کائنات کی ابتدا، آسمانوں اور زمین کی پیدائش، شمس و قمر اور لیل و نہار کی تسخیر، آسمان سے پانی کا نزول، نباتی، حیوانی اور انسانی زندگی کے آغاز، گذشتہ قوموں کے حالات و آثار، حیاتِ ارضی اور کائنات کا انجام، حیاتِ آخرت کا آغاز، میدان حشر میں اولادِ آدم کے اعمال کا حساب اور جنت و دوزخ میں انکے احوال کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اس طرح قرآن مجید کی حیثیت کائناتی حقائق، موت و حیات کے اسرار، گذشتہ امتوں کے حالات اور علمی رموز کے ایک بے مثل خزانے اور اتھاہ سمندر کی بھی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا عظیم معجزاتی پہلو ہے کہ ہر دور کے انسان اس بحر بیکراں میں غوطہ زن ہو کر علوم و اسرار کے نادر موتی نکالتے اور خالق کائنات کی عظمت و حکمت کے قائل ہو کر ایمان کی دولت سے اپنے قلوب کو منور کرتے رہیں گے۔ قرآن حکیم کی دائمی اخلاقی اصولوں اور ازلی و ابدی حقائق پر مشتمل تعلیم، زمان و مکاں کے

اثرات سے ماوراء ہے۔اس سے ہر دور کا انسان روشنی اور ہدایت حاصل کرتا رہے گا۔قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے آئندہ آنے والے ہر دور کی امت کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

☆لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ کِتٰباً فِیْهِ ذِکْرُکُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَo (الانبیاء۔10)

''ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے کیا تم نہیں سمجھتے۔

تمہارے کیسے ہی حالات کیوں نہ ہوں اور تم ترقی کر کے علم و معاشرت کے کتنے ہی بلند مقام پر فائز کیوں نہ ہو تمہیں قرآن کریم سے علمی، فکری، ذہنی اور روحانی ترقی کرنے کے لئے بدستور ہدایت ملتی رہے گی۔موجودہ دور میں اس کا ثبوت وہ یورپی اور امریکی سکالرز اور سائنسدان ہیں جو صرف اور صرف قرآن کریم اور اسکی عملی تفسیر یعنی اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حیات طیبہ کے گہرے مطالعہ کی برکت سے ایمان کی دولت سے مشرف ہو رہے ہیں اور یہ سلسلہ تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔کیونکہ نورِ اسلام سے مستفیض ہونے والے یہ عالم و فاضل نو مسلم حضرات بذاتِ خود دینِ حق کی تبلیغ کا وسیلہ بن گئے ہیں اور اپنے ہموطنوں کو ان کے ذہنی معیار اور سائنسی اندازِ فکر کے مطابق اللہ کے دین کی بڑی کامیابی کے ساتھ دعوت دے رہے ہیں۔قرآن کریم اور حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کی صداقت کو تسلیم کر کے اسلام میں داخل ہونے والے ہر نو مسلم کی سرگذشت بڑی ہی ایمان افروز اور روح پرور ہوتی ہے۔ان کی خود نوشت سوانح عمریاں دعوت دین کا ذریعہ بن رہی ہیں۔اس سلسلے میں آسٹریا کے رہنے والے لیوپڑ اسد اور امریکن خاتون مریم جمیلہ کی سوانح عمری اور دوسری تصانیف بڑی اہمیت کی حاصل ہیں۔اسی طرح عائشہ باوانی ٹرسٹ کراچی کی کتاب:''ISLAM OUR CHOICE'' اور حال ہی میں لکھی گئی پروفیسر عبدالغنی فاروق کی کتاب:''ہم کیوں مسلمان ہوئے'' پڑھنے کے قابل ہیں۔اسی طرح فرانس کے رہنے والے ایک عیسائی سکالر (MAURICE BUCAILLE) مارس بُکائے کا تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے جس نے اپنی کتاب'' THE BIBLE, THE QURAN AND SCIENCE'' تحریر کر کے جہاں موجودہ عیسائیت کی بنیادیں ہلا دیں وہاں اس نے سائنسی بنیادوں پر قرآن کریم کی صداقت کے ثبوت بھی مہیا کئے

ہیں۔بنیادی طور پر یہ کتاب فرانسیسی زبان میں تھی جو بعد میں انگریزی ترجمے کے ذریعے سے دنیا بھر میں پھیل گئی اوراب اس کا اُردو ترجمہ: ''بائبل،قرآن اور سائنس'' کے نام سے پاکستان میں بھی دستیاب ہے ۔مارس بُکائے کو کسی طرح قرآن مجید کا فرانسیسی ترجمہ پڑھنے کا اتفاق ہوا تو وہ حیران رہ گیا کہ متعصب پادریوں نے اسلام کی جو بھیانک تصویر ہمارے ذہنوں میں بٹھا رکھی ہے قرآن کریم کی تعلیم تو اس سے قطعی مختلف ہے۔اس نے تلاش حق کی خاطر اپنی جستجو کو آگے بڑھانے کا فیصلہ کرلیا تو سب سے پہلے قرآن کی زبان یعنی عربی میں ماہرانہ صلاحیت حاصل کی پھر اس نے قرآن کریم اور اسکی قدیم وجدید عربی تفاسیر کا بغور مطالعہ کیا اور اس کے بعد یہ شہرہ آفاق کتاب لکھی۔اس نے تسلیم شدہ سائنسی حقائق کی مدد سے یہ ثابت کردیا کہ موجودہ بائبل میں بیان کئے گئے کئی واقعات غلط ہیں اسلئے اسے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب تسلیم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کسی غلطی کا امکان ہو ہی نہیں سکتا۔اس کے مقابلے میں اس نے اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کریم کے بارے میں لکھا ہے کہ سائنس کے ذریعے ہونے والے جدید ترین انکشافات بھی اس کی کسی ایک آیت کو جھٹلا نہیں سکے بلکہ قرآن کریم میں سائنسی علوم کے بارے میں ہمیں ایسے نادر حقائق اور دقیق نکات معلوم ہوئے ہیں جنہیں بیسوی صدی کے علماء بھی حال ہی میں سمجھنے کے قابل ہوئے ہیں اور ان کی کئی مثالیں بھی اس نے تفصیل کے ساتھ لکھی ہیں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ مصنف مذکورہ نے اسلام اور قرآن کی حقانیت کے یہ ثبوت ایک عیسائی ہوتے ہوئے تحریر کئے ہیں۔اس سے بڑھ کر قرآن کا معجزہ کیا ہوسکتا ہے کہ دین کی مخالفت کرنے والے مادہ پرست سائنسدان اور دوسرے مذاہب کے پیروکار اہل علم حضرات نہ صرف اس کی صداقت کے قائل ہورہے ہیں بلکہ جس مبارک ہستی پر یہ کتاب نازل کی گئی اس کے اسوۂ حسنہ کے گہرے مطالعے کے نتیجہ میں انہیں اللہ تعالیٰ کا عظیم پیغمبر،قانون دہندہ اور انسانیت کا محسنِ اعظم قرار دینے پر مجبور ہوگئے ہیں۔

3:۔ یوم قیامت

قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ وسیع وعریض کائنات ایک دن سمیٹ دی جائے گی اور ہم اسے نئے انداز سے دوبارہ پیدا کریں گے جیسا کہ پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔(الانبیاء۔104)جب قیامت برپا ہوگی تو آسمان پھٹ جائے گا۔ستارے بے نور ہوکر جھڑ جائیں گے اور سمندر اُبل پڑیں گے(الانعقاد 1 تا 3)

پورا نظام درہم برہم ہوگا تو روشنی اتنی تیز ہوگی کہ آنکھیں چندھیا جائیں گی۔چاند کی روشنی ختم ہوجائے گی اور سورج اور چاند اکٹھے ہوجائیں گے اور اس دن انسان کو بھاگنے کی جگہ نہ ملے گی۔(القیمۃ۔7 تا 10)صور پھونکا جائے گا اور کائنات میں بسنے والے سب بے ہوش ہو جائیں گے۔(الزمر۔68)ایک عظیم زلزلہ اور کھڑکھڑاہٹ بپا ہوگی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر روئی کے گالوں کی طرح اُڑیں گے(القارعۃ۔5)پوری زمین اس شدت سے ہلائی جائے گی کہ اپنے اندر کے سارے بوجھ باہر نکال دے گی۔(الزلزال۔1 تا 2)

یہ تو تھی قرآن کریم میں بیان کی گئی قیامت کے واقعات کی ایک مختصر سی جھلک جس سے جہاں یہ مقصود ہے کہ کرہ ارض پر بسنے والے انسان اس زندگی کی ناپائیداری کو سمجھ لیں اور حیات آخرت کو سنوارنے کے لئے ایمان وعمل کی راہ اپنائیں وہاں موجودہ اور آئندہ دور کے انسانوں کو تدبر وتفکر کا میدان بھی مہیا کیا گیا ہے تا کہ وہ قیامت کے واقعات پر غور وخوض بھی کرسکیں۔اب تو سائنسدان حضرات بھی کائنات کی مکمل تباہی کے بارے میں آجکل یہ نظریہ بہت مقبولیت حاصل کرچکا ہے کہ آج سے تقریباً بارہ سے اٹھارہ ارب سال پہلے ایک عظیم دھماکہ(BIG BANG)ہوا جس کے نتیجے میں مادہ بنا اور کہکشائیں وجود میں آئیں۔یہ پوری کائنات مسلسل پھیل رہی ہے اور کہکشائیں ایک دوسری سے دور ہٹتی چلی جارہی ہیں۔سائنسدانوں کا خیال یہ ہے جب ابتدائی دھماکہ والی توانائی ختم ہوجائے گی تو پھر پھیلاؤ رک جائے گا اور کہکشاؤں کا واپسی سفر شروع ہوجائے گا اور ساری کائنات بڑی قوت اور تیز رفتار سے سمٹ کر دوبارہ ایک نکتہ میں جمع ہوجائے گا۔اس کائناتی حادثے کو(Big Crunch)"عظیم دھڑام" کا نام دیا گیا ہے۔اس

کے علاوہ بھی علوم فطرت کے ماہرین وسعت علم کی وجہ سے حیات ارضی کے خاتمے کے قائل ہو چکے ہیں اور مختلف امکانات کی بنیادوں پر اپنے اپنے نظریات پیش کر رہے ہیں۔کوئی کہتا ہے کہ کسی وقت بھی ایٹمی جنگ شروع ہوگئی تو پوری نسل انسانی نیست و نابود ہو جائے گی، پہاڑ اپنی جگہوں سے ہل جائیں گے، کئی دریا خشک اور کئی نئے وجود میں آ جائیں گے اور زمین کا نقشہ ہی بدل جائے گے، دفاعی ماہرین کے اندازوں کے مطابق مختلف ممالک کے پاس جو ایٹمی اسلحہ موجود ہے اس سے کرہ ارض کی پوری آبادی کو تیس مرتبہ ختم کیا جا سکتا ہے۔کسی کا نظریہ یہ ہے کہ کرہ ارض کا درجہ حرارت بتدریج بڑھ رہا ہے جس کی وجہ سے جمی ہوئی برف زیادہ پگھل رہی ہے اور سمندروں کی سطح آہستہ آہستہ بلند ہو رہی ہے۔اگر یہی حال رہا تو ایسا وقت آ سکتا ہے کہ پہاڑوں اور قطبین پر صدیوں سے جمی ہوئی ساری برف پگھل جائے۔اس طرح سمندروں کی سطح غیر معمولی طور پر بلند ہو جائے گی اور پورا کرہ ارض زیر آب آ جائے گی اور یوں زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ فلکیات کے ماہرین کا خدشہ ہے کہ خلا میں تیرتے ہوئے سیاروں میں سے کوئی بھی کسی وقت حادثاتی طور پر زمین سے ٹکرا سکتا ہے جس کے نتیجے میں لاکھوں ہائیڈروجن بموں کی طاقت کا دھماکہ ہو سکتا ہے جس سے زمین کے پرخچے اڑ جائیں گے۔اسی طرح کے کسی چھوٹے پیمانے کے حادثہ کی وجہ سے اگر زمین اپنے موجودہ مدار سے ہٹ کر سورج سے دور ہوگئی تو ہر شے سردی کی شدت سے یخ بستہ ہو کر ختم ہو جائے گی۔اگر دور ہٹنے کی بجائے سورج کی طرف لڑھک گئی تو سورج کی شدید گرمی کی وجہ سے ہر چیز بھسم ہو جائے گی، سمندر بھاپ بن کر اڑ جائیں گے اور زندگی کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔قدیم آتش فشاں پہاڑوں سے نکل کر جم جانے والے لاوے کی تہوں میں جمے ہوئے مقناطیس ذرات کا مطالعہ کرنے والے ماہرین پر یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا ہے کہ زمین کا موجودہ مقناطیسی شمالی قطب ہزاروں برس پہلے جنوبی قطب تھا اور جنوب والا حصہ شمال میں تھا۔اس سے یہ امکان ظاہر ہوتا ہے کہ زمین ماضی میں کسی تباہ کن عظیم حادثے سے دوچار ہوئی جس سے اوپر والا حصہ نیچے اور نیچے والا اوپر ہو گیا۔ایسا حادثہ آئندہ بھی قیامت صغریٰ برپا کر سکتا ہے۔الغرض وسعت علم نے انسان کو قادر مطلق کی عظمت و قوت اور اپنی بے بسی کا احساس دلا دیا

ہے اور زمین و کائنات کی تباہی کے ممکنہ خدشات ابھر کر اب حقیقی دکھائی دے رہے ہیں ۔اس موضوع پر اس قدر کتابیں لکھی جارہی ہے کہ ''مکمل تباہی''(HOLLOCAUST) کا عنوان مغربی لٹریچر کی ایک جانی پہچانی اور مقبول صفت بن چکا ہے ۔یہ تو ہیں اہل عقل کے اندازے اور ہر ایک اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اپنے نظریے کی بانسری بجا رہا ہے ۔حالانکہ یہ عظیم کائناتی حادثہ بالکل اچانک ہوگا اور اس کے وقوع کے بارے میں کوئی پیش گوئی نہیں کی جاسکے گی ۔قرب قیامت کی جونشانیاں قرآن وحدیث میں دی گئی ہیں وہ تو ضرور واقع ہونگی لیکن قیامت کی خاص گھڑی کے بارے میں پیش گوئیوں کی بنیاد پر جوکبھی کبھی سنسنی پھیلائی جاتی ہے اس سے اہل ایمان کو لاتعلق رہنا چاہیئے ۔

4:۔حیات آخرت

قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق تمام انسانی ارواح روز ازل ہی پیدا کردی گئی تھیں ۔جس مقام پر تمام روحیں اکٹھی رہتی ہیں اسے روحِ بسیط یا روحِ اعظم کہتے ہیں ۔وہاں سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ،مقررہ اوقات اور اپنی اپنی باری پر انسان اس مادی دنیا میں آکر زندگی گذارتے ہیں اور موت کے بعد عالم مثال یا عالم برزخ میں چلے جاتے ہیں ۔یہ ایک حقیقت ہے کہ اس مادی دنیا میں جوبھی حادثات وواقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں ان سب کی تقدیر و تدبیر اور تعمیر پہلے روحانی عالم میں کی جاتی ہے اور اس کے بعد وہ مادی دنیا میں نزول کرتے ہیں ۔اللہ والے بزرگ اور روحانیت کے ماہرین جو آنے والے واقعات کے بارے میں پیش گوئیاں کرتے ہیں وہ وقوع سے پہلے ہی عالم مثال میں ان کا مشاہدہ اپنی باطنی یا روحانی بصیرت کی بنا پر کرلیتے ہیں ۔صوفیائے کرام نے روحانی مشاہدے کی بنا پر دو عالم بیان فرمائے ہیں ۔ایک عالم امر ہے اور دوسرا عالم خلق لیکن بیسویں صدی کے ایک عظیم روحانی محقق اور سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''تعمیر ملت''میں روحانی عالم کی تشریح میں سہولت کی خاطر عالم خلق کو مزید دو حصوں میں تقسیم کرکے ایک حصے کو عالم مثال اور دوسرے کو عالم مادی کا نام دے دیا ہے ۔اس میں آپ نے یہ انکشاف بھی فرمایا ہے کہ

تمام انسان جو اس مادی دنیا میں موجود ہوتے ہیں ان سب کے مثالی اجسام یعنی روحانی ہمزاد (DUPLICATES) عالم مثال میں موجود ہوتے ہیں۔اس دنیا میں عقائد و اعمال کے سبب انسان کو جو علم، باطنی بصیرت اور روحانی طاقت وقوت حاصل ہوتی ہے وہ اس کے مثالی اجسام کو بھی منتقل ہوتی رہتی ہے۔اب طبیعی سائنسدان بھی کائنات کی حقیقت کا کھوج لگاتے لگاتے اس قسم کی باتیں کرنے لگے ہیں۔چنانچہ برطانیہ کا چوٹی کا ایک سائنسدان سٹیفن ہاکنگ اپنی مشہور زمانہ کتاب A Brief History of Time میں لکھتا ہے۔

''1928ء میں ایک سائنسدان پال دائرَیک نے یہ نظریاتی پیش گوئی کی کہ ہر الیکٹرون کے لئے ایک ساتھی اینٹی الیکٹرون یا پازیٹرون کا ہونا ضروری ہے۔چنانچہ چار سال بعد 1932ء میں پازیٹرون کی دریافت سے اس کی تھیوری کی تصدیق ہوگئی اور 1933ء میں اسے فزکس کا نوبل انعام دیا گیا۔چنانچہ اب ہم جانتے ہیں کہ ہر ذرہ کا ایک 'ضدذرہ' موجود ہے۔ (or every particle there is an particle) جس کے ساتھ اگر وہ مل جائے تو دونوں معدوم ہو جائیں گے۔اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ اس کائنات کے مقابلے میں ضدِ کائنات اور انسانوں یعنی الناس کے مقابلے میں ضدِ الناس موجود ہوں جو ضدِ ذرات سے بنے ہوئے ہوں۔اگر اتفاق سے تمہاری ملاقات اپنے ہمزاد یا مثالی جسم (Anti Self) سے ہو جائے تو اس سے ہاتھ ہرگز نہ ملانا ورنہ بجلی کی ایک زوردار چمک ہوگی اور تم دونوں معدوم ہو جاؤ گے۔''

اس طرح انسانی عقل یہ حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئی ہے کہ جس طرح درختوں، حیوانوں اور انسانوں کے جنسی جوڑے ہیں اسی طرح ہر ذرے کا بھی جوڑا موجود ہے اور مادی کائنات کے مقابلے میں ایک غیر مادی کائنات اور دُنیوی حیات کے مقابلے میں اُخروی حیات بھی موجود ہے۔سبحان اللہ! جس نے قرآن کریم میں سچا وعدہ فرمایا کہ ''ہم عنقریب انہیں کائنات اور ان کے نفسوں میں ایسی نشانیاں دکھائیں گے کہ وہ پکار اٹھیں گے کہ اللہ کا فرمان حق ہے۔''

اس سائنسی نکتۂ نظر کے علاوہ یورپ اور امریکہ میں سینکڑوں روحانی انجمنیں موجود ہیں جہاں مردہ انسانوں کی روحوں کو بلا کر ان کے رشتہ داروں سے ملوایا جاتا ہے۔ماہرین کی روحوں کو

بلوا کران سے علمی استفادہ کیا جاتا ہے۔روحوں کو بلانے والے لوگ (Medium) میڈیم کہلاتے ہیں اور بالکل معمولی آدمی ہوتے ہیں۔میری نظر سے ایک امریکن کتاب The Communication with the dead یعنی" مُردوں سے رابطہ" گذری جس میں روحانی عاملوں کے ذریعے روحوں سے رابطہ کرنے کے بہت سے واقعات درج تھے۔یہ تجربات تحقیقی اور تنقیدی نکتہ نظر سے سائنسدانوں اور پیشہ ور علما کے بورڈز کی نگرانی میں کئے گئے تھے اور کئی ایک کو تو براہ راست ٹیلیویژن پر بھی دکھایا گیا تھا۔عملی مشاہدہ کے بعد ماہرین نے تصدیق کی تھی کہ عامل لوگوں نے حقیقتاً مرے ہوئے انسانوں سے رابطہ قائم کیا تھا۔ان مجالس میں ایسے ایسے تکنیکی نوعیت کے مسائل ارواح سے پوچھے گئے جن کا سمجھنا عاملوں کی ذہنی اور علمی استعداد سے بلندتر تھا لیکن ماہرین کی ارواح نے ان کے صحیح اور تسلی بخش جواب دیئے۔موت کے بعد زندگی کے ثبوت میں ایک یورپی ڈاکٹر کی کتاب Beyond the Grave بھی بڑی مشہور ہوئی جو ایسے مریضوں کے انٹرویوز پر مشتمل تھی جنہیں ڈاکٹروں نے معائنے کے بعد مردہ قرار دے دیا لیکن وہ چند گھنٹوں کے بعد دوبارہ زندہ ہوگئے۔ان سے پوچھا گیا تھا کہ اس عارضی موت اور دوبارہ زندگی کے درمیانی وقفہ میں ان پر کیا بیتی ؟ سبھی کے بیان میں یہ بات مشترک تھی کہ وہ مادی جسم سے نکل کر ایک لطیف روحانی جسم کے ساتھ پرواز کر گئے۔وہ اپنے مردہ مادی جسم اور اس کے پاس بیٹھے ہوئے اپنے عزیزوں کو روتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔اس کے بعد انہیں ایک طویل اور تاریک سرنگ سے گزرنا پڑا جس کے بعد انہوں نے ایک نہایت ہی لطیف اور روشن دنیا کی جھلک دیکھی لیکن پھر ہم واپس اپنے جسم میں لوٹ آئے۔چند برس قبل ایک یورپی ملک میں کسی مریضہ کا آپریشن ٹیلیویژن پر دکھایا جارہا تھا لیکن وہ بیچاری آپریشن تھیٹر کے دوران ہی چل بسی۔عین اس وقت ٹیلی ویژن کیمرہ نے آپریشن تھیٹر کی فضا میں معلق اس عورت کے جسم لطیف کی تصویر محفوظ کرلی حالانکہ اسکا مادی جسم آپریشن ٹیبل پر مردہ پڑا ہوا تھا۔یہ خبر اور تصویر پاکستان کے اخبارات میں شائع ہوئی اور راقم الحروف نے خود دیکھی۔اب ہم ڈاکٹر غلام جیلانی برق ایم اے پی ایچ ڈی کی مشہور تصنیف "حُسن کی دُنیا" میں درج واقعات میں سے چند یہاں نقل کرتے ہیں

جن سے حیات بعدازممات پر مزید روشنی پڑے گی۔انہوں نے مذکورہ کتاب کے پانچویں باب میں ایک انگریز ماہر روحانیات پادری لیڈ بیٹر کی کتاب Invisible Helpers سے ایک واقعہ یوں نقل کیا ہے:

''ہوا یوں کہ امریکہ کا ایک جہاز ایس ایس واٹر ٹاؤن بحرالکاہل میں سفر کررہا تھا۔ایک دن اس کے دو ملاح کسی گیس والے کمرے میں پھنس گئے اور وہیں ہلاک ہو گئے۔ان کی لاشیں سمندر کے حوالے کردی گئیں۔لیکن ہررات جہاز سے ذرا دوران دونوں ملاحوں کی صورتیں ایک ماہ تک نظر آتی رہیں۔کیمرے سے ان کی تصاویر بھی لی گئیں اور یہ تمام تفاصیل امریکہ کے انگریزی میگزین فارچون (FORTUNE) کی اشاعت ماہ فروری 1934ء میں شائع ہو چکی ہیں''۔

اسی طرح ڈاکٹر کرنگٹن اپنی کتاب (Invisible World) جو کہ رائڈر اینڈ کمپنی لنڈن نے 1939ء میں شائع کی میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ امریکہ کی (Society For Psychical Research) انجمن برائے روحانی تحقیق نے ایک سوالنامہ شائع کیا کہ کیا آپ کے کسی دوست یا رشتہ دار کو موت سے پہلے فضا میں غیبی صورتیں یا اگلی دنیا کے مناظر کبھی نظر آئے ہیں؟ تو جواب میں تیس ہزار آدمیوں نے لکھا کہ انکے مرنے والے رشتہ داروں کو ایسی چیزیں نظر آئی تھیں۔

ڈاکٹر برق مزید لکھتے ہیں کہ گورنمنٹ کالج کیمبل پور (موجودہ اٹک) کے ایک لیکچرار 1958ء میں کراچی گئے اور وہاں انہیں دل ڈوبنے کے دورے پڑنے لگے۔جب طبی علاج ناکام ہو گیا تو کسی نے ایک ایسی خاتون کا پتہ دیا جو ارواح کو طلب کر سکتی تھی۔چنانچہ یہ اس خاتون کے پاس پہنچ گئے۔اس نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور کہنے لگی کہ میں خود تو کچھ نہیں جانتی البتہ اتنا کر سکتی ہوں کہ کسی بڑے طبیب یا ڈاکٹر مثلاً بقراط، بوعلی سینا وغیرہ کی روح کو طلب کرلوں اور آپ اس سے مشورہ لے لیں۔اس وقت ان کے ساتھ ایک ایسے صاحب تھے جو پامسٹری میں دلچسپی رکھتے تھے۔انہوں نے اصرار کیا کہ سب سے پہلے پامسٹری کے ماہر کیرو کی روح کو طلب کیا جائے۔چونکہ وہ خاتون روح کے تسلط سے بے ہوش ہو جاتی تھی اور اس کا جسم چور ہو جاتا تھا اس

لئے اس نے کہا کہ وہ ایک دن میں ایک ہی روح کوطلب کرسکتی ہے۔فیصلہ یہی ہوا کہ اس روز کیرو کی روح کو بلایا جائے۔اس کے بعد ہوا یہ کہ اس خاتون کے کہنے پر پروفیسر صاحب کے ساتھی نے اپنی ہتھیلی پر رکھ دی اور وہ خاتون بے ہوش ہوگئی۔اس حالت میں اس کے منہ سے چھ سات منٹ تک ایک تقریر جاری رہی جس کی ابتدا یوں ہوئی! گڈ مارننگ ایوری باڈی! کیرو سپیکنگ!(Good morning every body! Chairo speaking)یعنی سب کو صبح بخیر میں کیرو بول رہا ہوں اور اس کے بعد ہاتھ کی تمام لکیروں پر سیر حاصل بحث کی اور آخر میں پھر کہا: گڈ مارننگ! اور پسینے میں ڈوبی ہوئی خاتون دوبارہ ہوش میں آ گئی۔

اب راقم السطور ٹیلیویژن پر دیکھے ہوئے ایک پروگرام کا مختصر سا حال تحریر کرتا ہے سال 2000ء کے شروع کی بات ہے کہ میں نے صبح کے وقت خبروں کے لئے ٹی وی لگایا تو سی این این(C.N.N)پر لیری کنگ کے پروگرام میں ایک روحانی عامل یعنی میڈیم(Medium) عورت روزمیری کا تعارف کرایا جارہا تھا اس نے روحوں کے ساتھ رابطہ کے طریقوں پر ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام تھا(YOU OWN THE POWER)''آپ میں بھی قوت موجود ہے''اور اس کے بارے میں بھی بتایا جارہا تھا۔وہ عورت بتارہی تھی کہ یہ صلاحیت بنیادی طور پر ہر انسان میں موجود ہے لیکن اسے اجاگر کرنے اور ترقی دینے کے لئے کچھ مشق کرنا پڑتی ہے اس کے بعد مسٹر لیری کنگ نے اپنا فون نمبر بتا کر پوری دنیا کے ناظرین کو یہ دعوت دی کہ سٹوڈیو میں موجود میڈیم روزمیری سے اپنے فوت شدہ عزیزوں کے بارے میں سوالات پوچھ سکتے ہیں۔چنانچہ دنیا کے مختلف گوشوں سے فون آنے لگے۔اس عورت نے نہ تو آنکھیں بند کر کے مراقبہ کیا اور نہ ہی وہ بے ہوش ہوئی بلکہ جوں ہی فون پر کوئی سوال کرتا وہ کھلی آنکھوں کے ساتھ فوراً جواب دیتی کہ جس متوفی کے بارے میں آپ نے پوچھا ہے وہ میری دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہے اسکا اتنا قد ہے،اسطرح کا حلیہ ہے اور اسکے بالوں کا سٹائل اس طرح کا ہے۔وہ مجھے اپنی موت کے مقام اور حالات سے بھی آگاہ کررہا ہے۔آپ کے سوالوں کے یہ جواب دے رہا ہے اور آپ کے لئے یہ پیغام بھی دے رہا ہے۔سوال کرنے والے اس عورت کی بتائی

ہوئی اطلاعات کی تصدیق کررہے تھےاور جوابات سے پوری طرح مطمئن ہورہے تھے۔قارئین کرام آپ اس سے اندازہ کیجئے کہ اس طرح کے ثقہ ادارے جب خود ہی موت کے بعد کی زندگی کے ثبوت دنیا کے سامنے پیش کررہے ہیں تو یہ اللہ تعالٰی کے دین اور قرآن کریم کی صداقت کا اعتراف نہیں تو کیا ہے۔

اب میں اس موضوع پر 1923ء میں ہندوستان کے شہر بردوان میں ہونے والا ایک پراسرار واقعہ تحریر کرنا چاہوں گا جو علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کی کتاب ''سیرۃ النبیؐ'' جلد سوم صفحہ 155 پر درج ہے اور اس وقت کے ایک مشہور انگریزی اخبار LEADER میں بھی شائع ہوا۔ ہوا یوں کہ وہاں ایک کھتری زمیندار کندن لال کپور شام چھ بجے فوت ہوا۔

چونکہ متوفی سوریہ بنسی کھتری تھا اسلئے ہندو دھرم کے مطابق جب تک دوسرے دن صبح کا آفتاب نہ نکلتا اس کی لاشیں جلائی نہیں جاسکتی تھیں۔ اگلے دن جلانے سے پہلے اس کے لڑکے امند لال نے ہال کمرے میں جہاں اور کوئی نہ تھا اپنے والد کی لاش کا فوٹو لیا لیکن جب تصویر تیار ہوئی تو لاش کے علاوہ اس پر دُھندلی سی پانچ دوسری تصویریں بھی آگئی تھیں۔ان تصویروں میں سے دو کو تو خاندان کے لوگوں نے پہچان لیا۔ایک تو متوفی کی پہلی بیوی کی تھی اور دوسری اس کے لڑکے کی تھی جسے مرے ہوئے کئی برس ہو چکے تھے۔باقی تین تصویریں جو زیادہ روشن نہ تھیں۔پہچانی نہ جاسکیں۔کیا اس قسم کے واقعات یہ ٹھوس ثبوت مہیا نہیں کرتے کہ اس زندگی کے فوراً بعد ایک نئی زندگی کا آغاز ہوجاتا ہے۔روحانی عاملوں کے توسل کے علاوہ ایسے واقعات بھی ہوئے ہیں جس میں روحوں نے خود رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔کوئی سات برس ادھر کی بات ہے کہ راقم نے ایک اُردو اخبار میں یہ دلچسپ تفصیلی خبر پڑھی کہ ایک انگریز نے جب ریڈیو لگایا تو اس پر اس کی فوت شدہ بیوی اسکے ساتھ ہمکلام ہوگئی۔جب ایسا کئی بار ہوا تو اس نے یہ معاملہ ماہرین کے سامنے پیش کیا۔انہوں نے ریڈیو پر سنائی دینے والی آواز کو ریکارڈ کر کے اس کا موازنہ اس عورت کی زندگی میں ریکارڈ کی گئی آواز سے کیا تو انہوں نے اس امر کی تصدیق کردی کہ دونوں آوازیں ایک ہی عورت کی ہیں یعنی ریڈیو پر گفتگو کرنے والی عورت اس کی فوت شدہ بیوی تھی۔

اس سے قبل بھی اس قسم کی بیسیوں واقعات مشاہدات میں آ چکے ہیں جن سے مادی دنیا ہی کو اول و آخر سمجھنے والوں کا عقیدہ ریزہ ریزہ ہوگیا ہے اور وہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں کہ جسے ہم موت کہتے ہیں وہ زندگی کا انجام ہرگز نہیں بلکہ ایک نئی اور نا ختم ہونے والی حقیقی زندگی کا آغاز ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

ان انکشافات کی وجہ سے مغربی دانشور مزید تجربات اور مشاہدات کو اکٹھا کر کے حیاتِ آخرت کے نا قابلِ تردید ثبوت ریکارڈ پر لا رہے ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں اس موضوع پر چھپنے والی کتابوں میں سے چند ایک نام ملاحظہ ہوں۔

The dead have never died.
The mystery of death.
The communivation with the dead.
Beyound the Grave.
Human personality and its surviral of bodily death.
Invisible world.

ان کتابوں کے عنوانات ہی موت کے بعد والی زندگی کا اعلان اور اعتراف ہیں۔ ان انکشافات کے باوجود بھی ایمان کی دولت صرف ان خوش نصیبوں کے حصے میں آئے گی جن کے روحانی چراغ مکمل طور پر بجھنے نہیں پائے اور جن کے دل اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانیوں کے سبب زنگ خوردہ نہیں ہوئے۔ تاہم انسان کی اجتماعی سوچ میں معتمد بہ تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ سائنسی علوم کا صداقتِ قرآن کے سامنے سر جھکا دینا، اہلِ اسلام کے لئے بھی تقویتِ ایمان کا باعث بن رہا ہے اور امتِ مسلمہ پر خود اپنی بے یقینی اور بے عملی کی وجہ سے مغربی تہذیب کا جو بے بنیاد رعب چھایا ہوا تھا وہ بھی کافور ہو رہا ہے۔ گذشتہ چند صدیوں میں سائنسی علوم کے حصول میں جو ملت اسلامیہ سے کوتاہی ہوئی اب اس کا مداوا کرنے کا عزم بیدار ہوگیا ہے کیونکہ علم یا سائنس تو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے بغور مطالعہ اور مشاہدہ کا نام ہے اور یہ ایک اصولی بات ہے کہ مخلوق سے خالق

اور صنعت سے صانع کا پتہ چلتا ہے۔ اسلئے جیسے جیسے انسان کا علم ترقی کر رہا ہے ویسے ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت یعنی پہچان بھی بڑھ رہی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو آیاتِ کائنات میں تدبر و تفکر کرنے کی ترغیب دی ہے تاکہ وہ فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے اپنی خدمت میں لگالیں اور اپنے خالق کی معرفت کے حصول میں بھی کامیاب ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کائنات میں جاری و ساری قوانین کے ذریعے بھی اپنی قدرت و عظمت کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ ان قوانین کو سمجھنے کی صلاحیت اس نے انسان کو عطا کر رکھی ہے تاکہ اس کی ترقی کا سفر تحقیق کے ہر میدان میں آگے بڑھتا چلا جائے اور وہ مایوس ہو کر کہیں رُک نہ جائے۔

5: اللہ کے ذکر کے اثرات

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا فرمایا ہے وہ ایک بامقصد اور عظیم کائناتی نظام کا حصہ ہے۔ انسانی جسم کا ایک ایک عضو اس نظام حق کا حصہ ہے۔ جو شے جس مقصد کے لئے بنائی گئی ہو اسے اسی طرح استعمال کرنا ہی حق ہوتا ہے۔ اگر ہم بے احتیاطی اور بداعتدالی کی وجہ سے کوئی مضر صحت غذا کھالیں یا کسی عضو کا غیر صحت مندانہ استعمال کریں تو ہمارا معدہ یا متعلقہ عضو ہماری اس ناحق حرکت کے خلاف بغاوت کر دیتا ہے اور بیمار پڑ جاتا ہے۔ ہم خود اپنے اختیار کا غلط استعمال کرتے ہیں لیکن ہمارے اپنے جسم کے اعضاء ہمارے ناحق فیصلے میں ہمارا ساتھ نہیں دیتے کیونکہ وہ نظام حق کا حصہ ہیں۔ موجودہ دور کی ایک حیرت انگیز ایجاد جھوٹ پکڑنے کا آلہ ہے جسے Lie Detector ''کذب نما'' کہا جاتا ہے۔ اس میں ملزم کے خون کے دباؤ اور قلب و تنفس کی رفتار ماپنے کے لئے اسکے جسم کے مختلف حصوں پر حساس آلات لگا دیئے جاتے ہیں اور پھر اس کا بیان لیا جاتا ہے۔ جب تک وہ سچ بولتا رہتا ہے اس کے جسم کے کل پرزے معمول کے مطابق چلتے رہتے ہیں لیکن جوں ہی وہ کوئی جھوٹ بولتا ہے تو اس کے اندر ہلچل مچ جاتی ہے اور فوری طور پر اسکے قلب و تنفس کی رفتار اور خون کا دباؤ اس کی چغلی کھاتے ہیں اور اس کا جھوٹ پکڑا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ خوبصورت اور پیچیدہ جسمانی مشین جھوٹ بولنے کے لئے نہیں بلکہ راہ حق پر چلنے کے لئے عطا کی ہے۔ اسی طرح گناہ کے سارے کام اندرونی روحانی نظام کو مسخ کر دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ اہل ایمان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے

ہیں اور جان لو کہ دلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر سے ہی ہے۔انسانی قلب کو عرش الٰہی سے خاص نسبت ہے اور قلب ہی روحانی لہروں اور انوار کا (Reciever & Transmitter) ریسیور اور ٹرانسمیٹر ہے۔قرآن کریم میں بیسیوں جگہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ چلتے پھرتے ،اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے اپنے دل میں اللہ کو یاد کرتے رہا کرو کیونکہ قلبی ذکر ہی سے انسان کا اللہ تعالیٰ اور روحانی عالم سے تعلق قائم ہوتا ہے۔یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے قرب اور دیدار کی عظیم نعمت بھی اسی کی برکت سے عطا ہوتی ہے۔اہل ایمان کے لئے اس ذکر کی برکات اور اسکے ثمرات بے حد و بے شمار ہیں لیکن اولین نعمت جو اللہ کے بابرکت نام کا کثرت سے ذکر کرنے سے ملتی ہے وہ اطمینان قلب ہے۔قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ تیرے رب ذوالجلال والاکرام کا نام ہی برکت والا ہے۔اب سائنسی طور پر یہ انکشاف ہوا ہے کہ اس پاک نام کے ایک ایک حرف میں شفا اور رحمت کے خزانے چھپے ہوئے ہیں۔اسم ذات اللہ میں تین حروف الف،لام اور ہا (ا،ل،ہ) استعمال ہوئے ہیں۔بلکہ کلمہ طیبہ کا پہلا جزو"**لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه** "جسے افضل الذکر فرمایا گیا ہے ان تین حروف پر ہی مشتمل ہے۔اس کلمہ طیبہ کی عظمت و برکت اور روحانی فضائل کا بیان تو احاطہ تحریر میں نہیں آسکتا لیکن ان تین حروف کی آواز کی تھرتھراہٹ اور صوتی اثرات میں بھی اللہ تعالیٰ نے ذہنی سکون اور قلبی اطمینان کا بے مثل سامان پوشیدہ کر رکھا ہے۔اب خدا کے وجود کے منکر اور روحانیت کے مخالف ڈاکٹر اور ماہرین نفسیات پریشان خیالی، ذہنی دباؤ اور تشویش میں مبتلا مریضوں کو ذہنی سکون پہنچانے کے لئے (LAA-HAA TECHNIQUE) لا۔ہا ٹیکنیک استعمال کر رہے ہیں۔اس میں مریض کو خصوصی ہیلمیٹ پہنا کر ساؤنڈ پروف چیمبر میں رکھا جاتا ہے اور پھر مشینوں کے پیدا کردہ لا۔ہا کے صوتی اثرات ہیڈ فون کے ذریعے اس کے دماغ تک پہنچائے جاتے ہیں جس سے وہ انتہائی سکون محسوس کرتا اور تر و تازہ ہو جاتا ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کے مبارک نام کے حرف جزوی استعمال کی برکت ہے۔جو اہل ایمان **لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـه** کا ذکر روزانہ کرتے ہیں ان کی کیفیات کا کیا ہی کہنا ہے۔اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کے مبارک کلام کی یکسوئی کے ساتھ تلاوت کی جائے تو اس میں پوشیدہ نور،رحمت اور شفا کے اثرات محسوس ہونے لگتے ہیں۔اب تو منکرین کے لئے بس ایک آنچ کی کسر باقی ہے۔اگر وہ ایمان لا کر **لَا اِلٰهَ اِلَّا**

اللّٰہ کا ذکر کرنا اور ذکر کی بہترین صورت نماز کی ادائیگی شروع کردیں تو اللہ کے آخری رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کے مطابق قلب کی ساری سیاہی دھل جائے اور زندگی میں ایک انقلاب برپا ہو جائے۔ انسان مؤمن کہلانے کا حقدار اسی وقت ہوتا ہے جب ایمان اس کے قلب میں داخل ہو جائے۔ اس نعمت کے حصول کا بہترین طریقہ اسمِ ذات یعنی "اللہ" کا قلبی ذکر ہے جسے اہل تصوف پاس انفاس کہتے ہیں۔ یعنی یہ کوشش کرنا کہ کوئی سانس اللہ کی یاد کے بغیر نہ لیا جائے۔ جو سانس اندر جائے اس کے ساتھ بھی دل سے اللہ کہا جائے اور جو باہر نکلے اس کے ساتھ بھی اللہ۔ اس ذکر سے جسم کی راحت و آرام اور قلب کو سرور و اطمینان کی جو دولت ملتی ہے اس کا تجربہ غیر مسلموں کو بھی کرایا جانا چاہیے تاکہ وہ عملی طور پر اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت محسوس کر کے دین اسلام کی عظمت کے قائل ہو جائیں۔ مغربی معاشروں میں کبھی کبھی اتفاقیہ طور پر ایسے واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں اور انہیں خوب شہرت ملتی ہے۔ امریکہ کے سینٹ لوئیں ہسپتال میں کیتھرائن نام کی ایک عورت چھاتی کے کینسر کی مریضہ تھی اور ڈاکٹروں نے اسے لا علاج قرار دے دیا تھا۔ اب وہ ہسپتال میں پڑی زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہی تھی۔ زندگی اور موت کی کشمکش میں اسے ایک دن اپنے خالق و مالک کا خیال آنا شروع ہو گیا۔ ایک مرتبہ گہری سوچ کے دوران اس کے ذہن میں اپنی مرحومہ نانی کی صورت اُبھری جسے وہ زندگی میں اکثر پوچھا کرتی تھی کہ نانی اماں آپ ہر وقت چپکے چپکے کیا پڑھتی رہتی ہیں تو وہ مسکرا کر جواب دیتی کہ بیٹی اپنے خدا کو جب بھی یاد کرو چپکے چپکے اور دل میں یاد کرو اور اس کے نور کو اپنے اندر جذب ہوتا ہوا محسوس کرو۔ جب کیتھی اس کی وجہ دریافت کرتی تو نانی اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتی اور کہتی:

"چونکہ بیٹی خدا کی یاد بھی خوراک ہوتی ہے۔ روح کی خوراک، یہ نہ ملے تو روح بیمار ہو جاتی ہے اور بیمار روح والے جسم زیادہ دن صحت مند نہیں رہتے۔ تم بھی چپکے چپکے خدا کی یاد کیا کرو ورنہ کروڑوں لوگوں کی طرح اندر سے گل جاؤ گی۔"

ایک دن اس نے اس بات پر غور کیا کہ خدا کو کیسے یاد کیا جاتا ہے تو اس کے دل سے آواز آئی کہ خدا سے مدد مانگنا ہی اسے یاد کرنا ہے۔ اس نے دل میں کہا HELP ME GOD "اللہ میری مدد فرما" تو پھر "گاڈ" یعنی اللہ کا نام اس کے دل میں گھر کر گیا۔ حتیٰ کہ اس نے ہر سانس کے

ساتھ یہ جملہ دہرانا شروع کر دیا۔ پھر ایسا ہوا کہ ہر سانس کے ساتھ اسے آسمان سے ایک سفید نورانی شعاع اترتے اور جسم میں داخل ہوتے دکھائی دینے لگی جس سے اسے انتہائی سکون ملنے لگا۔ یہ مبارک جملہ اس نے کتنی بار دہرایا اسے یاد نہیں وہ جب تک جاگتی رہتی ہر سانس کے ساتھ ''ہیلپ می گاڈ'' کے الفاظ دہراتی رہتی اور جب سو جاتی تو اس کا دل یہ وظیفہ جاری رکھتا۔ چند دن بعد ہی کیتھرائن کی حالت حیرت انگیز طور پر بہتر ہونا شروع ہو گئی اور صرف تین ماہ بعد حیرت میں ڈوبے ہوئے ڈاکٹروں نے اسے مکمل طور پر صحت یاب قرار دے دیا۔ ڈاکٹروں اور طبی ماہرین نے جب کیتھی سے اس پراسرار روحانی صحت یابی کا راز دریافت کرنا چاہا تو اس نے کہا کہ اس کا نسخہ ''ہیلپ می گاڈ'' ہے۔ اس دھماکہ خیز روحانی معجزے نے طبی دنیا کو ایک نیا رُخ عطا کیا۔ چنانچہ پورے امریکہ کے تمام معروف ہسپتالوں میں سروے کرایا گیا تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ اللہ پر یقین رکھنے اور اس سے شفا طلب کرنے والے مریض دہریہ مریضوں کی نسبت جلد صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ''مثبت سوچ'' (Positive Thinking) کی تھیوری سامنے آئی ہے اور مریضوں کو یہ خوشخبری دی جا رہی ہے کہ اگر وہ خدا کو سچے دل سے یاد کرتے ہوئے اس سے شفا اور مدد مانگنے کا طریقہ اپنا لیں تو لاعلاج امراض سے بھی مکمل اور یقینی شفا حاصل ہو سکتی ہے۔ مزید تحقیق سے دائمی ذکر، تسبیح و تہلیل اور نمازوں کے جسمانی اور روحانی فوائد آشکار ہوتے چلے جائیں گے اور ایک دن پوری نسل انسانی اللہ کے دین کی حقانیت تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔ حال ہی میں انگریزی کے معروف مجلّہ ریڈرز ڈائجسٹ کے ماہ ستمبر 2001ء کے شمارہ میں ''صحت یابی پر ایمان وعقیدہ کے اثرات'' کے بارے میں ایک تحقیقی مقالہ شائع ہوا۔ جس میں تحریر تھا کہ روحانیت کو ماننے والے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے انسان بیماریوں سے بہت حد تک محفوظ رہتے ہیں اور انہیں علاج معالجہ کیلئے ہسپتالوں میں داخلہ لینے کی ضرورت بہت کم پیش آتی ہے۔ اگر کبھی ایسی ضرورت لاحق ہو جائے تو ان کی صحت یابی کی رفتار دوسرے لوگوں کی نسبت کہیں زیادہ ہوتی ہے اور وہ قلیل مدت ہی میں ہسپتالوں سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی لکھا تھا کہ جو لوگ ہفتے مں ایک دن چرچ جاتے ہیں ان کی اوسط عمر میں تقریباً سات برس کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں غور و فکر کے آداب

﴿سلطان بشیر محمود﴾

☆ زندہ قرآن:

قرآن حکیم سے فائدہ اٹھانے کے لئے پہلی اہم بات یہ ہے کہ آپ کو اس عظیم اور یکتا کتاب کے ساتھ کیا تعلق ہے یعنی آپ کے دل میں قرآن حکیم کا کیا مقام ہے۔ کیا آپ کے لئے یہ اور کتابوں کی طرح بے جاں اوراق پر لکھے گئے بے جاں الفاظ ہیں یا یہ کہ قرآن پاک امرِ رّبی ہے جس کو الفاظ کے سانچے میں ڈھال دیا گیا ہے، جس کا لفظ لفظ نہ صرف زندہ ہے بلکہ زندگی بخش بھی ہے؟

یہ کہ قرآن حکیم زندگی بخش ہے اس کا خود اللہ پاک گواہ ہے، اس لئے یہ **حیی قیوم خالق السمٰوٰت ولارض وما بینھما** کا براہ راست کلام ہے جسے وہ کبھی نور اور کبھی ذکر العالمین فرماتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اس عظیم تحفہ کو جو نام دیئے ہیں وہ اس کی عظمت کی منہ بولتی زندہ تصویر ہیں۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جسے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنا امر، اپنا نور، اپنا ذکر کہتے ہیں وہ کیسے مردہ ہو سکتا ہے؟ لہٰذا قرآن حکیم ایک زندہ وجود ہے۔ اس کی اپنی ایک خاص شخصیت ہے یہ نور کا ایک منبع ہے۔ اس کے ہر لفظ میں ایک خاص تاثیر ہے۔ اس کی آنکھیں ہیں جن سے یہ آپ کو دیکھتا ہے، اس کے کان ہیں کہ آپ کو سنتا ہے، اس کا قلب ہے کہ آپ کو سمجھتا ہے۔ جب اس یقین کے ساتھ قرآن پاک کی طرف رجوع کریں گے تو کلام اللہ ایک دوست کی طرح آپ کا استقبال کرے گا۔ آپ سے محبت کرے گا اور نور سے آپ کی زندگی کو روشن فرما دے گا۔ آپ کو زندگی کا احساس دے گا اور اسکے الفاظ آپ کی روح سے سرگوشی کریں گے اور وہ اپنی حقیقت کو کھول کر آپ کے سامنے رکھ دے گا۔

☆ مقام ادب:

تلاوت کی دوسری شرط ادب ہے۔ اس بات کو یاد رکھیں کہ یہ کلام اللہ کا کلام ہے۔ حضور ﷺ کا بزرگ ترین ورثہ ہے اور خالق کائنات کی انسان کے پاس امانت ہے۔ جب یہ لوحِ محفوظ سے

اتارا جاتا تھا تو فرشتوں کے سردار حضرت جبرائیل علیہ السلام بے شمار ملائکہ کی معیت میں اسے لاتے تھے۔سرورِ کائنات ﷺ کے محترم اور پیارے قلب پر نزول فرمایا گیا اور آپؐ کے رشکِ قمر و ماہتاب ہونٹوں نے سب سے پہلے ان الفاظ کو صوتی لہروں میں ادا کیا۔

عالم امر میں اس کی عظمت کا یہ مقام ہے کہ ماسوائے مطہرون (پاکبازوں) کے اسے کوئی چھو تک بھی نہیں سکتا۔چنانچہ قرآن حکیم کی طرف جب رجوع کرو، تو اس طرح کرو جیسے کسی مقدس اور علم و دانش میں بزرگ ترین ہستی کے روبرو پیش ہو رہے ہو۔نیت کے بعد اول شرط طہارت اور وضو ہے اور دیدار سے پہلے شیطان سے پناہ اور **بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم** اور کلمہ شہادت کا ورد با ادب لوگوں کا شیوہ ہے۔

افسوس کہ آج کل کے کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے کلام کو اپنے تکیہ تلے یا بیڈ سائیڈ ٹیبل پر یوں رکھ دیتے ہیں جیسے ان کی لائبریری کی کتابوں میں سے یہ بھی کوئی ایک کتاب ہے۔ایسے جاہل لا پرواہوں کے علاوہ ایک بے ادب گروہ مذہبی طالب علموں اور علماء کا بھی ہے جو پڑھتے پڑھتے اللہ تعالیٰ کے کلام کو اپنے سامنے زمین پر رکھ دیتے ہیں اور کچھ بدبختوں کو تو قرآن پاک کو تکیہ بنائے لیٹے بھی دیکھا گیا ہے۔ایسا وطیرہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے کلام سے بے توجہی، بے ادبی اور بدتمیزی کا اظہار ہے بلکہ خود خالق کائنات کی شان میں بدتمیزی کے مصداق ہے۔جس کا کوئی ذی روح متحمل نہیں ہو سکتا۔

کلام اللہ کے ادب کے بارے میں یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ یہ کوئی دل لگی (Casual Reading) کی کتاب نہیں کہ اسے دلچسپی کی خاطر پڑھا جائے جو صفحہ سامنے آیا وہاں سے پڑھ لیا اور جب دل اکتا گیا تو رکھ دیا۔یہ تو ہدایت کی کتاب ہے۔جس پر پوری زندگی کی کامیابی و ناکامی کا دارومدار ہے۔اس لئے قرآن پاک کو اٹھانے سے پہلے ذہن کو اس کے خالق سے ہم آہنگ کیا جائے اور اپنے آپ کو ایک شاگرد کی حیثیت میں رکھ کر قرآن پاک کا دیدار کیا جائے۔

یاد رہے کہ قرآن پاک سے دل لگی آگ سے کھیلنے کی مانند ہے۔کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ اس دل لگی کی وجہ سے انسان اللہ پاک کے غصہ کا شکار ہو جائے اور ہدایت کی بجائے گمراہی کے جہنم

میں دھکیل دیا جائے ۔حق تعالیٰ فرماتے ہیں ۔

يضل به كثيراً ويهدى به كثيراً

یعنی اس سے کافی لوگ گمراہ اور کافی لوگوں نے ہدایت پائی ۔(سورۃ البقرۃ، آیت مبارکہ ۲۶)

☆ تلاوت اور قلبی حالت :

قرآن حکیم کی تلاوت کا یہ حق ہے کہ قبلہ رُخ ہوکر با ادب باہوشیار تقویٰ والے دل کے ساتھ اس کی طرف رجوع کیا جائے ۔حق تعالیٰ کے کلام کو قرآن کے الفاظ کے صوتی اثرات میں محسوس کرے ۔قلب کی آنکھوں سے نظارہ کرے کہ کلام اللہ عرش معلّیٰ کی طرف سے آدمی کے دل پر اتر رہا ہے ۔محسوس کرے کہ فرشتے خوشبودار ریشمی جز دان میں لپیٹے اس کے مقدس اوراق کو اس کی طرف تحفتہً لا رہے ہیں ۔اس لئے لازم ہے کہ قاری قرآن پاک میں دوڑنے کی کوشش نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ رہے ۔اپنی بہترین آواز سے پڑھے اور اسے خود سنے اور محسوس کرے جیسے یہ اس کے قلب پر نازل ہو رہا ہے ۔

تجربہ یہ بتاتا ہے کہ قاری جب ایک ہی آیت مبارکہ کو بار بار تلاوت کرتا ہے اور اس کے الفاظ کے معانی پر بھی توجہ رکھتا ہے تو چند بار پڑھنے کے بعد کلام اللہ کا نور قلب کو منور کرنے لگتا ہے ۔یوں محسوس ہوگا جیسے قاری کے دل پر کلام اللہ کے انوار کا نزول ہو رہا ہے ۔اگر یہ حالت کچھ دیر بدستور رہے تو کلام اللہ کے اثرات سے آنکھیں بھیگنا شروع ہو جائیں گی اور دل خشیتہ اللہ میں ڈوب کر مقام معرفت کی طرف عروج کرنے لگے گا ۔

☆ ذکر کے ساتھ فکر :

ذکر کے ساتھ فکر ضروری ہے لیکن افسوس کہ اکثر قاری قرآن پاک کو پیچھے چھوڑ کر اس کے الفاظ کے ساتھ آگے نکل جاتے ہیں اور قرآن پاک کو ختم کرنے کے چکر میں اسکے اوپر اوپر سے گزر جاتے ہیں ۔ایسی تلاوت سے شاید انسان ثواب تو پالے لیکن قرآن حکیم کے مقصد نزول سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کی برکات اور فیوض کا حقدار ہوتا ہے ۔حقیقت یہ ہے کہ کلام اللہ ایک سمندر ہے جس میں جس قدر گہرائی تک غوطہ لگایا جائے گا اسی قدر اعلیٰ موتی ہاتھ آئیں گے ۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ کلام اللہ کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے اور اس کے نور کا پھیلاؤ زمین سے عرش تک ہے اور اس کی پہنچ عالم امر، عالم شہود، عالم برزخ، عالم آخرت غرض کہ زمان ومکاں حاضر غیب ہر جگہ ہر وقت ہے۔ زندگی و آخرت کے ہر مقام پر یہ روشنی اور رہنمائی کا ذریعہ ہے۔ اب یہ غوطہ خور پر ہے کہ اس لا انتہا سمندر رشد وہدایت میں اس کی اپنی انتہا کیا ہے۔ کچھ وہ لوگ ہیں جو کنارے پر کھڑے اس کو دیکھتے ہیں (یعنی رسم ورواج کے طور پر قرآن خوانیاں کرانے والے) اور کچھ اس کی گہرائیوں میں غوطہ لگاتے ہیں۔ ہر شخص کو بقدر ہمت اور نیت کچھ نہ کچھ ضرور حاصل ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جو ساحل پر کھڑا ہے اس پر بھی اڑ کر اس کے بابرکت پانی کے چھینٹے ضرور پڑ جاتے ہیں۔

ظاہر اور باطن کے معنی سے یہ غلط فہمی نہ ہونا چاہیے کہ قرآن کریم کا باطن خواص کی لئے ہے اور ظاہر عوام کے لئے۔ ایسی ہرگز ہرگز کوئی بات نہیں۔ دونوں ایک ہی ہیں۔ فرق صرف شدت کا ہے۔ جیسے سورج کے اندر اور اس کے باہر روشنی کی خاصیت ایک سی ہے لیکن کیفیت، حدت اور شدت کا انحصار مرکز سے قربت پر ہے ہے۔ یوں قرآن حکیم کے معنی قاری پر اس کے رب العالمین سے تعلق کی نسبت کھلتے جاتے ہیں لیکن باطن ہرگز ظاہر کو ساقط نہیں کرتا، اس لئے کہ یہ وہ کتاب ہے جس کا کوئی حصہ دوسرے حصہ سے اختلاف نہیں کرتا۔ لہٰذا ظاہر کو چھوڑ کر صرف باطن کے معنی تلاش کرنے والے بھی گمراہ ہوسکتے ہیں۔ جیسا کہ باطنیہ فرقہ کے ساتھ ہوا۔ صحیح عقیدہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے کلام کے تمام احکامات پر پورا پورا عمل کرے اور اپنی زندگی کو حضورﷺ کے تابع بنائے۔ چونکہ آپﷺ کی ذات گرامی انسانی شکل میں قرآن پاک تھی اس لیے کلام اللہ کے باطن سے بھی وہی لوگ مستفید ہوں گے جو حضور پاکﷺ کی اتباع میں اس کے ظاہر پر پورا کاربند ہوں گے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ظاہر پر عمل کرنے ہی سے باطن کے راز کھلیں گے۔

☆ زندہ کتاب:

قرآن حکیم ایک عظیم اور یکتا شخصیت کا مالک کلام ہے۔ اس نسبت سے کہ یہ براہ راست اللہ کا امر ہے یہ مخلوق نہیں کہ مٹ جائے بلکہ اسے دوام حاصل ہے۔ یہ زندہ ہے۔ اسے شعور حاصل

ہے۔اسے اللہ تعالیٰ نے اپنا نور کہا ہے یہ نور ہر آیت سے نکلتا (Radiate) ہے۔جب کوئی دوست کے طور پر اس کی طرف بڑھتا ہے تو قرآن پاک بھی دوست بن کر اپنے مہمان کا استقبال کرتا ہے اور اپنا دل کھول کر اس کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔لیکن اجنبی کے لئے یہ اجنبی ہے۔اسے قرآن حکیم میں حکمت کی بجائے بے ربطی اور وحشت نظر آتی ہے۔ایسا اس لئے ہے کہ اس کی اپنی زندگی بے ربط ہے اور مقصد حیات سے لاعلمی کے باعث اس کے زندگی اس کے لئے وحشت ناک بن چکی ہے جیسے ایک اجنبی کو دوسرے اجنبی سے ہوتی ہے۔جب کہ اس پر ایمان لانے والوں پر اس کا اثر نا قابل بیان ہے۔لہٰذا اسے عام انسانی معیار سے پرکھنا ہی بنیادی غلطی ہے۔اس کا اسلوب سب کتابوں سے جدا اور انوکھا ہے۔

یہ دنیا کی وہ عظیم ترین کتاب ہے جو سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے،سب سے زیادہ یاد کی جاتی ہے سب سے زیادہ اس کے حوالے دیئے جاتے ہیں،سب سے زیادہ اس پر عمل کیا جاتا ہے اور جو اسکا ادب کیا جاتا ہے وہ بھی لاثانی ہے۔عجیب بات ہے کہ اگر چہ اپنی ضخامت میں بڑی نہیں لیکن پڑھنے میں ختم نہیں ہوتی۔ساری عمر پڑھنے والے بھی کہتے ہیں ابھی پڑھی نہیں،چودہ صدیوں سے ہر رنگ و نسل کے لوگ اس کے معنی پر غور کر رہے ہیں لیکن بڑے سے بڑا عالم یہی کہتا ہے۔ابھی اس کو پورے طور پر سمجھا نہیں۔یہ واحد کتاب ہے،جس کی لاکھوں دماغ چودہ سو سالوں سے تفاسیر لکھ رہے لیکن علم کی پیاس نہیں بجھتی۔وقت کے ساتھ ہر چیز،ہر علم ہر سائنس اپنی افادیت کھوتی جاتی ہے،لیکن قرآن پاک کی تازگی اور علوم کی گہرائی بڑھتی ہی جا رہی ہے۔کوئی بھی کتاب ہو،انسان چند دفعہ پڑھنے کے بعد بوریت محسوس کرتا ہے لیکن یہ عجیب کتاب ہے جسے لوگ ہزاروں بار ختم کرتے ہیں لیکن پیاس مزید بڑھتی ہی جاتی ہے۔

☆ قرآن پاک کا اندازِ بیاں اور موضوع:

جب کوئی مصنف کوئی کتاب لکھتا ہے تو اس کے سامنے ایک خاص موضوع ہوتا ہے۔جس سے اس کتاب کی شناخت ہوتی ہے۔پھر وہ اپنے موضوع کو کئی ابواب میں تقسیم کر کے اس کے ہر پہلو پر الگ الگ بحث کرتا ہے لیکن قاری جب قرآن پاک کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس میں

اسے ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی ۔ بلکہ اس کی ہر آیت مبارکہ ایک منفرد موضوع ہے یہ ایک انتہائی خوبصورت بھر پور باغیچہ کی مانند ہے جس میں ہزاروں پھول کھلے ہیں، ایک سے ایک بڑھ کر اور انفرادی حیثیت میں نہایت دلکش اور مجموعی حیثیت میں بے مثل۔

قرآن پاک میں عقائد کا ذکر بھی ہے ۔عبادات یا فرائض کا بھی لیکن ان کے لئے بھی علٰیحدہ علٰیحدہ ابواب نہیں ۔ ہر طرح کا اصول اس میں موجود ہے لیکن وضاحت کہیں کہیں ہے ۔اس میں اعلیٰ ترین انسانی حقوق و معاشرت اور عدل حکومت کی تصویر دی گئی ہے لیکن حکومت کیسے چلائی جائے اس کی تفصیل اور طریقہ کار کی وضاحت نہیں ۔جگہ جگہ کائنات کے بھیدوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے، جس میں دریافتوں کی جھلکیاں ہیں، لیکن پھر بھی یہ سائنس کی کتاب نہیں ۔قرآن پاک انسان کی تمام معاشی مسائل کا حل پیش کرتا ہے، لیکن طریق کار پر زیادہ وضاحت نہیں کی گئی ۔ علم الغیب کے رازوں سے کئی جگہ پردہ اٹھایا گیا لیکن اسرار و رموز کی تفصیلات کھل کر سامنے نہیں آتیں ۔غرض دنیا کا کوئی ایسا علم نہیں جس کی بنیاد قرآن پاک میں موجود نہ ہو اور زندگی کا کوئی پہلو نہیں جس پر رہنمائی قرآن پاک میں نہ ہو لیکن تفصیل بہت کم دی گئی ہے ۔اس لئے کہ قرآن اکیلا نہیں آیا تھا بلکہ یہ صاحب قرآن ﷺ کی معیت میں آیا ۔

تفصیلات کے عظیم کام کی ذمہ داری اللہ تبارک وتعالیٰ نے حامل قرآن ﷺ پر ڈال دی کہ وہ اس کی ایک ایک رمز کو عملی صورت میں پیش کر کے دکھائیں ۔ چنانچہ حضور پاک ﷺ کی اپنی زندگی سب سے بڑی تجربہ گاہ تھی جہاں آپ ﷺ نے اپنے رب کی رضا کو انسانی شکل میں وضع کر کے دکھادیا ۔یوں آپ قرآن ناطق ہیں ۔آپ کے قول و عمل اور مثال کو سنت نبوی ﷺ کہتے ہیں اور یہ سب کچھ قرآن حکیم کی عملی تفسیر ہیں جس کے بغیر کلام اللہ کو سمجھنا محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے ۔

قرآن کی مثال ایک نہایت وسیع ،نہایت گہرے سمندر کی مانند ہے ۔اس کے اندر کیا ہے اس کو جاننے کا دارومدار ہر ایک کی اپنی اپنی صلاحیت پر ہے ۔کوئی کیا پکڑ کر لاتا ہے یہ اس کی اپنی ہمت کے اوپر ہے ۔یعنی قرآن حکیم انسان کی صلاحیتوں کو نکھارنا چاہتا ہے تاکہ قاری اپنا راستہ اس کی روشنی میں خود تلاش کرے ۔وہ منزل کی نشاندہی تو کھل کر کرتا ہے لیکن منزل پر پہنچنے کا اختیار

آدمی کے ہی پاس رہنے دیتا ہے۔

اگر تفصیلات اور طریق کار بھی قرآن میں دیئے گئے ہوتے تو نہ صرف قرآن پاک ایک نہایت ضخیم کتاب بن جاتی بلکہ انسان کی عقل و دانش پر بھی پابندی لگ جاتی جو قرآن پاک نہیں چاہتا۔

یہاں اس پہلو کو سمجھنا ضروری ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو صرف اہل قرآن (منکر حدیث) کہتے ہیں وہ قرآن کو سمجھنے میں اپنے ظن و تخمین پر بھروسہ کرتے ہیں اس لئے غلطی پر غلطی کرتے جاتے ہیں۔ایسے لوگ سخت گھاٹے میں ہیں۔علاوہ ازیں جو لوگ احادیث مبارکہ کو قرآن پاک کے اصولوں کے تابع کر کے اپنے لئے نشان راہ تلاش نہیں کرتے اور بناوٹی اور ضعیف احادیث مبارکہ یا اپنے ''اماموں'' یا ''پیروں'' کی باتوں کو دین اسلام کا حصہ بنادیتے ہیں وہ بھی قرآن حکیم کی روح کو نہیں پاسکتے۔اس لئے کہ قرآن پاک اور صاحب قرآن ﷺ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں کہ قرآن پاک کی پوری سمجھ تب آسکتی ہے کہ حضور پاک ﷺ کی عملی زندگی کو نہ صرف سمجھا جائے بلکہ حضور پاک ﷺ سے وہی تعلق بنایا جائے جو آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ نے بنایا تھا۔غیر مشروط محبت اور اتباع کا تعلق۔اگر کسی میں یہ سب باتیں جمع ہو جائیں تو خود بخود اس پر کلام اللہ کی حقیقت واضح ہونے لگتی ہے۔

☆ عجیب ترتیب:

اپنی ترتیب میں بھی یہ کتاب عجیب و غریب ہے۔اس کے 114 ابواب (سورتیں) ہیں لیکن ان کے درمیان آسانی سے کوئی مماثلت نظر نہیں آتی۔بعض ابواب تو اتنے لمبے ہیں کہ پڑھتے میں کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں اور بعض اتنے چھوٹے کہ چند منٹ بھی بہت ہیں۔ہر باب کا اپنا ایک نام اور انداز ہے مثلاً قرآن حکیم کی سب سے لمبی سورۃ کا نام البقرۃ یعنی گائے ہے لیکن گائے کے متعلق چند سطور پر مشتمل ایک سرسری سا واقعہ ہے۔ایک سورۃ کا نام النمل یعنی چیونٹی ہے لیکن یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں چیونٹیوں کی سائنس سمجھائی ہے بلکہ وہاں بھی صرف چیونٹیوں کا ایک دفعہ ذکر ہے۔اسی طرح باقی تمام سورتوں کے نام ہیں۔ظاہراً قاری کو سورۃ کے

نام اس اور اس کے نفس مضمون میں کوئی خاص ربط نظر نہیں آتا۔لیکن ایسا نہیں بلکہ قرآن پاک کی ہر سورت کا نام اپنے اندر معنی کا سمندر رکھتا ہے جس کا سورۃ کے مضامین سے گہرا تعلق ہے۔مثلاً گائے کا انسانی نشوونما اور رہن سہن میں ہمیشہ سے جو واسطہ ہے اس کا اندازہ اس سے لگالیں کہ ہندو دھرم میں اس کو گائے ماتا یعنی ماں کا درجہ دیا گیا ہے۔اب اس کے نام کی نسبت سے سورۃ البقرہ پر غور کریں تو اسلامی معاشرہ کی تشکیل،نسوونما،عدل وانصاف اور ترقی کے لئے یہ سورۃ خون کا درجہ رکھتی ہے۔

☆مختلف مضامین:

ایک ہی سورۃ میں نفس مضمون کے لحاظ سے بھی قرآن پاک نہایت عجیب وغریب ہے۔ ظاہراً کسی سورۃ کا بھی کوئی خاص موضوع معلوم نہیں ہوتا بلکہ سورۃ تو بہت بڑی بات ہے بعض اوقات قرآن پاک کی ایک ایک آیت میں یکمشت کئی کئی مضامین اور بیان نظر آتے ہیں۔ایک ظاہر بین آنکھ یہاں بھی غلطی کرتی ہے اور اسے ان مضامین میں کوئی ربط نظر نہیں آتا لیکن یہ بات نہیں۔حقیقت یہ ہے کہ قرآن پاک کی آیات پہاڑی سلسلوں کی چوٹیوں کی طرح ہیں جو اوپر سے تو الگ الگ ہیں لیکن گہرائی میں جا کر دیکھو تو ایک عظیم مضبوط باربط عمارت ہے جس میں کوئی کمزوری،کوئی علیحدگی نہیں۔

ایک اجنبی قاری کو یہ بات بھی حیران کن معلوم ہوتی ہے کہ قرآن حکیم میں بعض دفعہ ایک ہی آیت میں بیک وقت ماضی حال اور مستقبل کے زمانے نظر آتے ہیں۔یہی حال صیغوں کا ہے۔حاضر،غائب متکلم کے صیغے ایسے فوری تبدیل ہو جاتے ہیں کہ ناسمجھ قاری چکرا جاتا ہے۔ اسکی وجہ بھی قرآن پاک کے منفرد اعجاز اسلوب سے ناواقفیت کی وجہ ہے۔یہ ہم ہیں جنہوں نے اپنی چھوٹی سی زندگی میں وقت کو بھی ماضی حال مستقبل میں بانٹ کر رکھ دیا لیکن وقت سے بالاتر ہستی کیلئے سب کچھ ایک ہی چیز ہے۔قرآن انسان کو زمان ومکان سے بالاتر ہو کر سوچنے کی دعوت دیتا ہے۔

☆ اُسلوبِ وَحدت

اوپر ہم نے جن عجیب وغریب باتوں کا ذکر کیا ہے دراصل یہی وہ اسلوب ہیں جو اسے دوسری کتابوں سے ممتاز کرتے ہیں۔ اگر یہ کسی آدمی کی تصنیف ہوتی تو وہ ضرور انسانوں کے کتاب لکھنے کے اسالیب کو اپناتا لیکن چونکہ اس کتاب کے مصنف محمد رسول ﷺ نہیں بلکہ رب کائنات ہے جو زمان ومکان اور حاضر غائب کی قیود سے آزاد ہے۔ اول ہو یا آخر ظاہر ہو یا باطن یہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور ایک ہی ہیں۔ لہٰذا کلام اللہ انسانی قیود سے آزاد ہے اس کا انداز آفاقی ہے اور اس کا اسلوب بیان تمام کتابوں سے جداگانہ ہونا لازمی ہے۔

اگر قرآن پاک نے مذہب، سائنس، معاشرت، حکومت، معاشیات، اخلاق، نیکی، بدی، زندگی اور موت کو علیحدہ علیحدہ ڈبوں میں بند نہیں کیا تو اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ دراصل یہ سب ایک ہی وحدت کے مختلف رنگ ہیں مثلاً معاشیات کو آپ سیاست، حکومت، سائنس یا اخلاقیات سے علیحدہ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اخلاق ہو یا مذہب اس کو زندگی کے باقی شعبوں سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یوں قرآن پاک زندگی کے تمام شعبوں کو ایک زندہ وحدت کے طور پر پیش کرتا ہے جبکہ دور جدید کے نام نہاد ماہرین نے زندگی کو بے شمار بے جوڑ شعبوں میں بانٹ دیا ہے۔ اسلئے انہوں نے انسان کو سوائے انتشار (Ghaos اور Confusion) کے اور کچھ نہیں دیا۔ ہر ماہر سمجھتا ہے کہ اسی کا فامولا سب دکھوں کا امرت دھارا ہے اور پھر جنون کی حد تک اپنی ازم (Ism) کو دوسروں پر نافذ کر دیتا ہے اور یوں جدید دور میں انسان کی ہستی بے شمار ازموں میں بٹ کر پھٹ گئی ہے۔

قرآن حکیم کے نزدیک انسان کی معراج اس کی وحدت میں ہے۔ وہ نفس واحد سے پیدا ہوا اور وحدت ہی میں اس کی بقا اور ارتقاء ہے۔ افسوس کہ دورِ جدید کے فلاسفروں نے اس کی وحدت کو چاک چاک کر دیا ہے اور یہی آج کل کے انسان کے مسائل کی اصل جڑ ہے۔ لیکن تقسیم انسانیت آج ہی کا مسئلہ نہیں بلکہ دنیا میں جس وقت قرآن حکیم تشریف لایا اس وقت بھی انسان چرکی چرکی پھٹا اور بٹا ہوا تھا۔ اس لئے کہ باطل کے تمام نظریات خواہ وہ جدید ہوں یا قدیم ان کا نتیجہ انسان کی تقسیم ہے، امیر ہو یا غریب سب کے لئے عذاب ہے۔

اس شدید کمی کو پورا کرنے کے لئے رب العالمین نے رحمت اللعالمین ﷺ پر ذکر اللعالمین نازل کیا جس کا مقصد انسانیت کی وحدت کو برقرار رکھتے ہوئے فرد کی تکمیل ہے تاکہ انسان جہنم سے بچ جائے اور یہی قرآن حکیم کا خاص موضوع ہے۔ دنیا کو آخرت سے، زندگی کو موت سے، گھر کو قبر سے، دین کو سائنس سے، اخلاق کو معاش سے، غریب کو امیر سے اور انسان کو اس کے رب سے جدا نہیں کیا جا سکتا، یہ سب ایک ہی وحدت کے حصے ہیں۔ اگر ان سب کی اکٹھے ترقی ہو گی تو تبھی انسان کی صحیح ترقی ہوگی۔ بالکل انسانی جسم کی طرح۔ یہ نہیں کہ ہاتھ بڑھ کر لمبے ہو تے جائیں اور پاؤں چھوٹے رہ جائیں یا سر بڑا ہونا جائے اور دھڑ چھوٹا رہ جائے۔ اگر ان کی ترقیوں میں ربط اور مناسبت نہیں تو انسان بدنما (Disproportionate) حیوان بن جاتا ہے۔

انسان کی روح کی خوشی اور اس کا روحانی ارتقاء بھی اسی قرآنی وحدت میں ہے اور جب روح اس کو قرآنی آیات میں دیکھتی ہے تو فرط مسرت سے کبھی جھومتی ہے، کبھی اس کی آنکھوں میں سے تقویٰ کے آنسو نکلتے ہیں اور کبھی کبھی دم بخود ہر آیت مبارکہ کے لفظ کے ساتھ وجد کرتی ہے۔ زمان و مکاں کی قیود، حاضر و غائب کی تقسیم سے آزاد وہ خوشی سے سرشار ہو جاتی ہے، جیسے خالق کائنات خود اس سے ہم کلام ہو۔ روحانی ترقیوں کے زینوں پر یہ وہ مستی اور سرور ہے جو کسی راگ میں نہیں، کسی شراب میں نہیں۔ یہ تکمیل انسانیت کا راستہ ہے جس پر چل کر انسان خوف اور غم سے آزادی حاصل کر لیتا ہے اور کائنات کی وحدت کا حصہ بن کر محبت و عشق و مستی کا سرور پا لیتا ہے۔

☆ رحمت اللعالمین ﷺ اور ہم:

اس منزل کی واضح نشان دہی کے لئے مکمل انسان کا ہونا لازمی تھا۔ اس لئے رب العالمین نے ذکر اللعالمین سے پہلے رحمت اللعالمین ﷺ کو بھیجا۔ جب لوگوں نے چالیس سال تک ان کو اچھی طرح دیکھ بھال لیا اور ان کی عظمت کی گواہی الصادق اور الامین کے خطابات سے دے دی تو حکم ہوا اب دنیا کو تکمیل انسانیت کا درس دو۔

قرآن حکیم میں ہم جو یہ دیکھتے ہیں کہ بنیادی باتوں کی بھی تفصیل نہیں دی گئی جیسا کہ پہلے بھی کئی بار کہا گیا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ علم کو معلم ﷺ سے جدا نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر قرآن بھی نازل فرمایا اور اس کی تفصیل بھی جس کو سنت نبوی ﷺ کہتے ہیں۔

آپ ﷺ کی ہر حرکت ہر قول و فعل قرآن کی تفصیل ہے۔آپ ﷺ انسانیت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہیں چلتا پھرتا قرآن،جن کی خاطر رب العالمین نے کائنات بنائی،معراج عطا فرمائی کہ مشہود کو ایک شاہد چاہئے تھا۔جبرائیل علیہ السلام اس بات پر نازاں تھے کہ ہم رکابی نصیب ہوئی۔دنیا و آخرت میں خوش قسمت ترین وہ لوگ ہیں جن کو آپ ﷺ کے اصحاب ہونے کا شرف حاصل ہوا۔لیکن آپ ﷺ کی رحمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کے لئے خاص اور محدود نہیں تھی۔رحمت اللعالمینی کو کسی خاص دور کے لئے محدود نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ تو ہمیشہ جاری و ساری رہے گی۔اس کا انحصار ہم پر ہے کہ اس سے کس حد تک مستفید ہوتے ہیں۔چنانچہ اگر آج بھی ہم میں سے کوئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کے طرز زندگی کا نمونہ بن جائے تو آپ ﷺ کی رحمت اللعالمینی سے یہ بعید نہیں کہ اسے بھی حضور پاک ﷺ کی ویسی ہی صحبت نصیب ہو کون کہہ سکتا ہے کہ بعد کے ادوار میں اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں ہوئے۔اس اعزاز کے لئے ایسی زندگی کا رہنما اصول قرآن حکیم ہی ہوگا یعنی اگر ہم صاحب قرآن ﷺ سے اپنے تعلق کو استوار کرنا چاہتے ہیں تو پھر قرآن حکیم سے اپنا تعلق استوار کرنا ہوگا یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

قرآن پاک صرف کلام اللہ ہی نہیں بلکہ کلام رسول مقبول ﷺ بھی ہے۔اس کے ایک ایک حرف کی آواز سب سے پہلے آپ ﷺ ہی کے مقدس ہونٹوں سے نکلی تھی اور آج بھی آیات مبارکہ کی تار آپ جناب ﷺ سے جڑی ہوئی ہے۔گو"دیدار عام" کا وقت گزر گیا لیکن"دیدار خاص" کے چشمے بھی جاری ہیں۔

اللھم صلی علی محمد وبارك وسلم یاارحم الراحمین۔

ذعائے مغفرت کی اپیل

حافظ یٰسین (خادم حلقہ نوکھر) کے دادا جان اور محمد سلیم (گکھڑ والے) کے والد صاحب رضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔تمام بھائیوں سے مرحومین کی مغفرت کیلئے دُعا کی اپیل ہے

حضرت شماسؓ بن عثمان مخزومی

﴿طالب الہاشمی﴾

عثمان بن شرید (بن ہرمی بن عامر بن مخزوم) مخزومی قریش کے کھاتے پیتے لوگوں میں سے تھا اور رئیس مکہ ربیعہ بن عبدِ شمس کا داماد تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فرزند عطا کیا تو اس نے اس کا نام اپنے ہی نام پر عثمان رکھا، لیکن اس نہالِ تازہ کو خالقِ کائنات نے ایسے حسن و جمال سے نوازا کہ لوگ اس کو شماس (روئے تاباں) کہہ کر پکارنے لگے یہاں تک کہ کسی کو اس کا اصلی نام یاد ہی نہ رہا۔

شماس کا ابھی عہدِ طفلی تھا کہ شفیق باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ماں صفیہ بنت ربیعہ پر قیامت ٹوٹ پڑی، لیکن شماسؓ کے ماموں عتبہ بن ربیعہ نے بیوہ بہن اور یتیم بھانجے کے سر پر دستِ شفقت رکھا اور ان کو عثمان بن شرید کی کمی چنداں محسوس نہ ہونے دی۔ شماس ماموں اور ماں کے زیرِ سایہ ہی عنفوانِ شباب کو پہنچے۔ شماس کے سیاہ چمکیلے بال، موتیوں جیسے دانت، گورا چٹا رنگ، ستواں ناک، غلافی آنکھیں، کتابی چہرہ۔ ایسے خدوخال نہیں تھے کہ دیکھنے والوں کو مسحور نہ کر دیتے۔ ماں اور ماموں دونوں شماس پر سو جان سے فدا تھے اور انہوں نے ان کو بڑے ناز و نعم سے پالا تھا۔ ایک مرتبہ مکہ میں ایک خوبرو نصرانی (یا آتش پرست) وارد ہوا لوگوں میں اس کے رنگ روپ اور حسنِ صورت کا چرچا پھیلا تو عتبہ نے ایک دن اپنے بھانجے (شماس) کو اس کے ساتھ لا کھڑا کیا اور لوگوں سے کہا کہ ذرا غور سے دیکھو، میرا بھانجا حسن و جمال میں اس اجنبی سے بڑھ کر ہے یا نہیں؟ دونوں کو یکجا دیکھ کر اہل مکہ کی آنکھیں کھل گئیں، شماس کے حسن و جمال کے سامنے اجنبی کے حسن و جمال کی کوئی حقیقت ہی نہ تھی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ عثمان بن عثمان اسی دن سے شماس کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اس لقب نے اتنی شہرت پائی کہ لوگ اُن کے اصل نام کو بھول گئے۔

شماسؓ ابھی انیس بیس کے پیٹے میں تھے کہ رحمت عالم ﷺ نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا۔ شماس کو اللہ تعالیٰ نے حسنِ صورت کے ساتھ حسن سیرت سے بھی نوازا تھا، اِن کے کان جونہی دعوتِ توحید سے آشنا ہوئے انہوں نے کسی تامل کے بغیر اس پر لبیک کہا۔ ماں بھی نہایت نیک بخت خاتون تھیں وہ بھی اپنے فرزند سعید کے ساتھ نعمت اسلام سے بہرہ یاب ہو گئیں۔ عتبہ بن ربیعہ نے بہن اور بھانجے کو بہتیرا سمجھایا کہ آبائی مذہب ترک نہ کرو، لیکن وہ دونوں جس جادہ مستقیم پر گامزن ہو چکے تھے اس سے منہ موڑنا اُنہوں نے کسی صورت میں گوارا نہ کیا۔

یہ بڑا پُر آشوب زمانہ تھا اور دعوتِ حق قبول کرنا گردابِ بلا میں پھنسنے کے مترادف تھا۔

مشرکین قریش کو کسی مسلمان کا چین سے بیٹھنا گوارا نہ تھا۔ جوں جوں اسلام کی دعوت پھیلتی جاتی تھی اُن کی آتش غضب اور تیز ہوتی جاتی تھی۔ جور وتعدی کا کوئی حربہ نہ تھا جو انہوں نے اہل حق پر نہ آزمایا ہو۔ اُن کے دستِ تظلم سے صفیہؓ بنت ربیعہ اور شماسؓ بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ جب کفار کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو سرورِ عالم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو حبش کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ حضرت شماسؓ بھی اپنی والدہ کو ساتھ لے کر بہت سے دوسرے بلاکشانِ اسلام کی طرح ہجرت کر کے حبش چلے گئے اور کئی سال وہاں مقیم رہ کر غریب الوطنی کی مصیبتیں جھیلتے رہے۔

مہاجرین حبشہ میں سے ایک جماعت تو حضرت جعفر بن طیارؓ بن ابی طالب کے ساتھ غزوہ خیبر تک حبشہ ہی میں رہی البتہ ابن اسحاقؒ کی روایت کے مطابق چالیس کے لگ بھگ مسلمان مختلف اوقات میں سرورِ عالم ﷺ کی ہجرت الی المدینہ سے پہلے مکہ واپس آ گئے۔ ان واپس آنے والوں میں حضرت شماسؓ اور ان کی والدہ بھی تھیں لیکن مکہ میں ان کو واپس آئے ہوئے زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ ہجرتِ مدینہ کا اِذن ہو گیا۔ حضرت شماسؓ اب والدہ کے ہمراہ مدینہ ہجرت کر گئے اس طرح ان کو ذوالہجرتین (۲ دو ہجرتیں کرنے والے) کا شرف حاصل ہو گیا۔

حضرت شماسؓ کو مدینہ منورہ میں حضرت مبشرؓ بن عبدالمنذر انصاری نے اپنا مہمان بنایا۔ ہجرت کے چند ماہ بعد جب سرورِ عالم ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے مابین مواخاۃ قائم فرمائی تو حضرت شماسؓ کو غسیل الملائکہ حضرت حنظلہؓ بن ابی عامر انصاری کا اسلامی بھائی بنایا۔

رمضان المبارک ۲ ہجری میں غزوہ بدر پیش آیا تو حضرت شماسؓ ان تین سو تیرہ سرفروشوں میں شامل تھے جو کفر کی مہیب طاغوتی قوت سے محض اللہ کے بھروسے سے بھڑ گئے۔ میدانِ جنگ میں ان کے دو حقیقی ماموں عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ مخالف صفوں میں تھے لیکن حضرت شماسؓ کے نزدیک راہِ حق میں دنیوی رشتے ناتے کوئی حقیقت نہیں رکھتے تھے۔ وہ مشرکین کے خلاف اس جوش اور وارفتگی سے لڑے کہ جانبازی کا حق ادا کر دیا۔

۳ھ ہجری میں وہ غزوہ اُحد میں بھی بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے اور مردانہ وار دادِ شجاعت دی۔ لڑائی کے دوسرے مرحلے میں ایک اتفاقی غلطی سے مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا اور رحمت عالم ﷺ کے قریب صرف چند جانثار رہ گئے۔ اِن جانثاروں میں حضرت شماسؓ بھی تھے۔ کفار بار بار رحمت عالم ﷺ پر زغہ کرتے تھے آپ کے جانثار اُن کو بزورِ شمشیر پیچھے ہٹا دیتے تھے۔ اپنے آقا و مولا (ﷺ) کو خطرے میں دیکھ کر حضرتِ شماسؓ کے جسم میں

غضب کی چستی اور قوت آ گئی تھی ۔ وہ حضور (ﷺ) کے دائیں بائیں آگے پیچھے پھر رہے تھے اور ان کی تلوار برقِ بے اماں بن کر کافروں پر گر رہی تھی ۔ اس وقت وہ دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر تھے ۔ ذُھن تھی تو صرف یہی کہ کوئی مشرک رحمت عالم ﷺ کے قریب نہ پھٹکنے پائے ۔

حضور ﷺ جس طرف نظر اُٹھا کر دیکھتے شماسؓ کو سر بکف کفار سے نبرد آزما پاتے ۔ انہوں نے اپنے آپ کو حضور (ﷺ) کی ڈھال بنا لیا تھا اور کفار کے ہر وار کو بڑھ کر اپنے جسم پر لے لیتے تھے ۔ یہاں تک کہ زخموں سے چور چور ہو کر گر گئے ۔ لڑائی ختم ہوئی اور شہیدوں اور زخمیوں کی تلاش شروع ہوئی تو شماسؓ اس حالت میں ملے کہ جسم کا کوئی حصہ زخموں سے خالی نہ تھا لیکن ابھی سانس چل رہی تھی ۔ حضور ﷺ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ انہیں اٹھا کر مدینے لے جاؤ اور ان کا علاج کرو ۔ چنانچہ وہ مدینے لائے گئے جہاں اُم سلمہ مخزومیہؓ نے اِن کی تیمارداری کا فرض انجام دیا لیکن حضرت شماسؓ کی حالت علاج معالجہ اور تیمارداری کی حد سے گزر چکی تھی ۔ صرف ایک رات اور ایک دن زندہ رہے ۔ اس دوران میں کچھ نہ کھایا اور نہ پیا ۔ اس کے بعد اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی ۔ اس وقت ان کی عمر چونتیس برس کی تھی ۔ اولاد میں ایک صاحبزادے عبداللہ اور ایک صاحبزادی اُم حبیب تھیں ۔ یہ دونوں لاولد فوت ہوئے ۔ اس لئے حضرت شماسؓ کی نسل نہیں چلی ۔

حضرت شماسؓ کی شہادت کے بعد ان کی میت حضور ﷺ کے حکم کے مطابق میدانِ اُحد میں لائی گئی اور جن خون آلود کپڑوں میں انہوں نے شہادت پائی تھی ، انہی میں اِس شہید راہِ حق کو اُحد کے گنج شہیداں میں سپردِ خاک کر دیا گیا ۔ (ایک روایت میں ان کی تدفین بقیع میں بیان کی گئی ۔ (واللہ اعلم)

سرورِ عالم ﷺ غزوہ اُحد کا ذکر کرتے وقت فرمایا کرتے تھے ۔ **ما وجد لشماس شبها الا الجنة** یعنی میں شماس کیلئے سپر کے سوا کوئی تشبیہ نہیں پاتا ۔ ایک روایت میں ''الجنۃ'' کے بجائے ''**الحبة**'' کا لفظ ہے ۔ جس کے معنی ''زرہ'' کے ہیں یعنی میں شماسؓ کیلئے زرہ کے سوا کوئی تشبیہ نہیں پاتا ۔

حضرت شماسؓ نے اپنے آپ کو حضور ﷺ کی سپر بنایا یا زرہ بہر صورت انہوں نے اپنی جان اپنے آقا ﷺ پر قربان کر دی ۔

یہ حضرت شماسؓ جیسے سرفروش ہی تھے جنہوں نے نخلِ اسلام کو اپنے خون سے سینچا ملتِ اسلامیہ ان جوانمردوں پا تا ابد فخر کرتی رہے گی ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

ماہ ربیع الاول اور میلاد النبیﷺ

﴿مولانا حافظ شہزاد احمد﴾

اِس کائنات میں جتنے بھی انسان پیدا ہوئے۔ان میں سب سے مقدس ہستی اور تمام انسانوں سے افضل اور تمام انبیاءؑ سے افضل ہستی حضرت محمدﷺ کی ہستی ہے۔جس طرح آپؐ سب سے افضل ہیں ایسے ہی ہر وہ چیز اور وہ وقت بھی افضل ہے۔جو آپﷺ کے ساتھ منسوب ہے۔حضورﷺ کی پیدائش کے بارے میں ایک اصطلاح مشہور ہے۔میلاد النبیﷺ یعنی حضورﷺ کی پیدائش کا دن۔میلاد عربی زبان کا لفظ ہے۔اس کا مادہ و۔ل۔د (ولد) ہے۔عربی گرائمر کی رو سے لفظ میلاد اسم ظرف زمان ہے اور لفظ میلاد عام طور پر وقت ولادت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔اصطلاح میں میلاد ایسی مجلس کو کہتے ہیں۔جس میں حضورﷺ کی پیدائش مبارک کا ذکر ہوتا ہے۔چنانچہ یہ لفظ حدیث پاکؐ میں بھی استعمال ہوا ہے۔جامع ترمذی شریف میں ایک باب (**ماجاء فی میلاد النبی ﷺ**) کے عنوان سے آیا ہے۔جس میں حضرت قیس بن مخرمہؓ میلاد النبی کا ذکر ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

ولدت انا و رسول اللہ ﷺ عام الفیل ۔

ترجمہ! (میں اور رسول اللہﷺ پیدا ہوئے جس سال اصحاب فیل کا واقعہ ہوا)

کیونکہ حضورﷺ اس کائنات میں وہ ہستی ہیں۔جن کی وجہ سے اللہ نے اس کارخانہ قدرت کو پیدا فرمایا۔ایک حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

لولاک لما خلقت الافلاک ولما اظہرت الربوبیۃ ۔

ترجمہ! (اے محمدﷺ اگر میں آپ کو پیدا نہ کرتا تو آسمانوں (دنیا) کو پیدا نہ کرتا اور اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا)۔

☆ نور محمدیﷺ کی وضاحت

قرآن پاک میں اللہ نے ارشاد فرمایا۔

قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین ○

ترجمہ! ''تحقیق تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور ایک روشن کتاب آئی''۔

اِس آیت کی تشریح میں تمام مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ نور سے مراد نور محمدی ﷺ ہے۔ اور کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی کتاب (نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیبؐ) میں ایک حدیث بیان فرمائی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ سب سے پہلے اللہ نے کونسی چیز پیدا کی ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے جابر اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی ﷺ کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔ پھر وہ نور قدرت الٰہیہ سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا۔ اس وقت نہ لوح و قلم، نہ بہشت و دوزخ، نہ آسمان و زمین، نہ چاند و سورج نہ فرشتہ و جن اور نہ انسان تھا۔ پھر جب اللہ نے اس مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کیے۔ پھر ایک حصے سے قلم کو پیدا کیا۔ دوسرے حصے سے لوح کو پیدا کیا۔ اور تیسرے حصے سے عرش کو اس سے آگے طویل حدیث ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ ساری مخلوقات سے پہلے پیدا فرمائے گئے۔

ایک اور حدیث میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اول ما خلق اللّٰہ نور۔

ترجمہ! ''سب سے پہلے اللہ نے جو چیز پیدا فرمائی وہ میرا نور ہے''۔

☆ حضور ﷺ کی ولادت جگہ مبارک

مکہ مکرمہ میں وہ مقام جس کی قسمت میں مولدُ النبی ﷺ ہونے کی سعادت لکھی تھی وہ شعب بن عامر میں واقع ہے۔ جو سطح زمین سے ڈیڑھ کلومیٹر بلندی پر ہے۔ جسے لوگ زینہ کے ذریعے طے کرتے تھے۔ اس میں ایک دروازہ ہے جو شمالی سمت میں کھلتا ہے پھر ایک مستطیل صحن آتا ہے۔ اِس صحن کی مغربی دیوار میں ایک دروازہ ہے۔ جس کے ذریعے وہ کمرہ جس میں حضور ﷺ کی پیدائش ہوئی تھی داخل ہوا جا سکتا ہے۔ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد حضور ﷺ نے عقیل بن ابی طالب کو یہ مکان ہبہ کر دیا۔ پھر یہ مکان بنواُمیہ کے ابتدائی دور تک عقیل کی اولاد میں

رہا۔ یہ مکان چونکہ سفید چونے سے تعمیر کیا گیا تھا اور اس پر پلستر بھی چونے کا ہوا تھا۔ اِس لئے اسے البیضاء کہا جانے لگا۔

خلافت عثمانیہ کے دور میں حکومت کی جانب سے اس کمرے کے بارے میں واضح احکام تھے۔ ہر سال سال ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو سفید رنگ کیا جاتا تھا۔ رنگ ساز حافظ قرآن ہوا کرتا تھا۔ پھر جس رات کو حضورﷺ کا ظہور ہوا تھا۔ معصوم بچے اس کمرے میں آتے تھے اور قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ اگلی صبح پرندے آزاد کرنے کا حکم تھا۔ پھر عرصہ دراز کے بعد سعودی حکمرانوں نے وہاں دارالحدیث بنوایا۔ آج کل وہاں لائبریری قائم ہے۔ جو کبھی کبھار کھلتی ہے۔

☆ حضورﷺ کی ولادت کا سال

تمام مورخین، محدثین اور مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضورﷺ کی ولادت مبارک عام الفیل کے مہینے میں ہوئی۔ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری ولادت عام الفیل میں ہوئی۔

آپﷺ کی ولادت مبارکہ کا سال عام الفیل کو مدنظر رکھتے ہوئے سنہ عیسوی کے لحاظ سے آپکی پیدائش 871 عیسوی بنتا ہے۔ اس سلسلہ میں قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ کی تحقیق کے مطابق آپکی تاریخ ولادت 22۔ اپریل 871ء بنتی ہے۔

☆ حضورﷺ کی ولادت کا مہینہ

حضورﷺ کی ولادت کے مہینے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثریت کے نزدیک آپکی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی بعض حضرات کے نزدیک صفر میں بعض کے نزدیک رمضان میں ہوئی۔ صحیح قول یہی ہے کہ آپ کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی۔ مولانا محمد جعفر شاہ پھلوارویؒ لکھتے ہیں کہ آغاز نبوت۔ اختتام ہجرت اور ظاہری مفارقت جیسے واقعات بھی اِسی مہینے میں ہوئے تھے۔ مگر ربیع الاول کے معنی ہیں بہار کا پہلا مہینہ۔ ربیع اس موسم کو کہتے ہیں۔ جس میں پودوں کی کونپلیں پھوٹتیں، درختوں میں ہریالی نظر آنے لگتی ہے۔ عرب میں اس ماہ میں موسم خوشگوار ہوجاتا ہے۔ اگر اس مہینے میں کوئی اور واقعہ نہ بھی ہوا ہوتا۔ تو اس کی عظمت و تقدیس

کیلئے اتنا ہی کافی تھا کہ اِس مہینے میں کائنات کا سب سے افضل انسان پیدا ہوا تھا۔

☆حضورﷺ کی ولادت کی تاریخ

آپﷺ کی ولادت کس تاریخ کو ہوئی ۔اس میں شدید اختلاف ہے ۔بعض علماء کے نزدیک 9 ربیع الاول کو ہوئی ۔مگر جمہور کے نزدیک آپﷺ کی ولادت 12 ربیع الاول کو ہوئی ۔ کیونکہ اہل مکہ کا عمل اِسی پر گواہ ہے ۔اِس لئے کہ اہل مکہ 12 ربیع الاول کی رات کو جائے ولادت کی زیارت کو جایا کرتے تھے ۔اور محافل میلاد کا انعقاد کیا کرتے تھے ۔اِسی طرح مشہور علماء جن میں امام غزالیؒ، ابن حجر عسقلانی، مولانا اشرف علی تھانویؒ، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، نواب صدیق حسن خانؒ، امام احمد رضا بریلویؒ وغیرہ کے نزدیک آپ کی ولادت 12 ربیع الاول کو ہوئی ۔

☆ حضورﷺ کی ولادت کا دن

تمام محدثین مورخین اور سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ حضورﷺ کی ولادت پیر (دوشنبہ) کو ہوئی ۔اس کا ثبوت حدیث مبارکہ سے بھی ملتا ہے ۔مسلم شریف میں حضرت ابوقتادہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ حضورﷺ سے سوال کیا گیا کہ آپ پیر کو روزہ کیوں رکھتے ہیں ۔تو حضورﷺ نے ارشادفرمایا میں اِس دن پیدا ہوا تھا ۔اور اسی دن مجھ پر وحی کی ابتداء ہوئی تھی ۔

حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب ابولہب مر گیا تو میں نے ایک سال بعد اسے خواب میں دیکھا کہ وہ بہت برے حال میں ہے اور کہہ رہا تھا کہ تم سے جدا ہونے کے بعد مجھے کوئی راحت نہیں ملی ۔ہاں اتنی بات ضرورت ہے کہ پیر کے دن مجھ سے عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے ۔

☆ حضورﷺ کی ولادت کا وقت

حضرت عبداللہ بن العاصؓ سے مروی ہے کہ حضورﷺ کی ولادت باسعادت صبح صادق کے طلوع کے وقت ہوئی ۔اِس بارے میں حضرت قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ کی تحقیق کے مطابق حضورﷺ کی ولادت باسعادت مکہ مکرمہ میں صبح صادق کے طلوع کے وقت ہماری گھڑیوں کے مطابق 4 بجکر 20 منٹ پر ہوئی ۔

مسلم ہیت دانوں نے ہجری قمری کیلنڈر کی رو سے حضورﷺ کی حیات طیبہ کے ایام کا

حساب بھی مرتب کیا ہے۔اس کیلنڈر کے مطابق آپﷺ نے اس دنیا میں 22333 دن اور 6 گھنٹے قیام فرمایا۔اِن میں رسالت ونبوت کی تبلیغ کے ایام 8156 شمار کئے گئے ہیں۔حضرت محمدﷺ کے ساتھ عشق ومحبت اور عقیدت عین ایمان ہے اور آپﷺ کی ولادت باسعادت سے لیکر وفات تک زندگی کے ہر شعبہ کے صحیح حالات وواقعات اور آپؐ کے اقوال وافعال کو پیش کرنا باعث نزول رحمت خداوندی ہے اور ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ آپؐ کی مبارک سنتوں پر چلے اور اپنے لئے مشعل راہ بنائے۔لیکن بارہ ربیع الاول کو خاص کر کے اس میں آپ کی ولادت دھوم دھام طریقے سے منانا اور وفات شریف کو بھول جانا کہاں کا انصاف ہے چاہیے تھا کہ آپؐ کی وفات سے دُکھ پہنچتا کیونکہ بارہ ربیع الاول کو آپؐ کی وفات شریفہ بھی ہے۔آپ کی وفات کے دن دُشمنوں نے گھی کے چراغ جلائے تھے۔لیکن صحابہ کرامؓ بہت مغموم تھے۔بعض تو بے ہوش ہو کر گر پڑے۔بعض کی تو روح ہی پرواز کر گئی۔

حضرت فاطمۃ الزہراءؓ نے اس موقع پر یہ شعر پڑھے۔

ماذا علی من شتم تربت احمد

ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

ترجمہ:۔جس نے حضرت محمدﷺ کی مبارک مٹی سونگھ لی اسے مشک اور عنبر کے سونگھنے کی کبھی بھی ضرورت نہ رہے گی۔

صبت علی مصائب لو انھا

صبت علی الایام صرن لیا لیا

ترجمہ:۔رحمت عالمﷺ کی جدائی سے آج مجھ پر جو غم ٹوٹے ہیں۔اگر اِن غموں کا کچھ حصہ چمکتے سورج پر پڑ جائے تو اِسکی تابانی ختم ہوجائے گی۔

کلامِ نبوی ﷺ کی کرنیں

﴿پیر خان توحیدی﴾

(1) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ رب العالمین سے عرض کیا اے میرے رب! مجھے اس شخص کے بارے بتادیجئے جو آپ کی مخلوق میں آپ کے ہاں زیادہ قدر و منزلت والا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ وہ شخص جو میری مرضی کو پورا کرنے میں اس طرح اُڑے جس طرح باز اپنی خواہش کو پورا کرنے کیلئے اُڑتا ہے اور جو میرے نیک بندوں سے اس طرح عشق و محبت کرتا ہے جس طرح بچہ ماں باپ کے ساتھ محبت سے چمٹ جاتا ہے اور وہ شخص جو میری حرمتوں کی پامالی کے وقت غصے سے بھڑک اُٹھتا ہے جس طرح چیتا اپنی ذات کی خاطر غصے سے بھڑک اُٹھتا ہے جب وہ غضب ناک ہوجاتا ہے تو اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ لوگ تھوڑے ہیں یا زیادہ (مجمع الذوائد) باز، بچہ اور چیتے کی تین مثالیں اللہ کی مرضی پوری کرنے کا جذبہ و شوق، نیک بندوں سے عشق و محبت اور اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی پر غصے کی کیفیت کو کیا خوب بیان کیا گیا ہے پھر ان سب پر یہ کہ جب وہ غضب ناک ہوجاتا ہے تو اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ لوگ تھوڑے ہیں یا زیادہ۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کی بلند ترین شکل یہی ہے۔ اس کی مرضی یعنی اس کے دین سے محبت کرنے والوں سے عشق اور لگاؤ ہو۔ اللہ کے دین کی سربلندی اور غلبے کی تڑپ ہو اسلامی شعائر اور اقدار کی پامالی کو برداشت نہ کیا جائے۔ مومن غصے سے بے قابو نہیں ہوجاتا وہ اپنا غصہ شریعت کے طے شدہ ضابطے اور طریقے کے مطابق نکالتا ہے اس غصے کے ذریعہ ہی عدل و انصاف قائم ہوتا ہے حق دار کو اس کا حق دیدیا جاتا ہے۔ محرمات کی حرمت بحال کی جاتی ہے۔ آج کا دور اسی عشق و محبت اور عزت و حمیت کے اظہار کا دور ہے۔ آج دیکھا جاسکتا ہے کہ کون اللہ تعالیٰ کی مرضی کے لئے اُڑ رہا ہے اور کون اللہ کی خاطر غصے سے بھڑک اُٹھتا ہے اور کون اللہ تعالیٰ کی مرضی کے لئے اُڑ رہا ہے اور کون اللہ کی خاطر غصے سے بھڑک اُٹھتا ہے اور کون اللہ کے نیک بندوں سے پیار و محبت کرتا ہے۔ کون ہے جو اس معیار کی روشنی میں اپنا جائزہ لے کر اللہ کے نزدیک اپنی قدر و منزلت بڑھانے کیلئے سرگرمِ عمل ہوجائے۔

(2) حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جبر! کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ جب تم سفر پر نکلو تو اپنے تمام ساتھیوں سے زیادہ خوش شکل ہو اور سب سے زیادہ زادِ راہ تمہارے پاس ہو؟ میں نے عرض کیا! یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں یہ چاہتا ہوں ۔ آپؐ نے فرمایا اگر ایسا ہے تو پھر سفر پر نکلتے وقت پانچ سورتیں **قل یاایھا الکافرون، اذا جاء نصر اللہ، قل ھو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس** پڑھ لیا کرو ہر سورت کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرو اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پر ان کی قرات کو ختم کرو ۔ حضرت جبیرؓ کہتے ہیں کہ میں دولت مند تھا میرے پاس مال زیادہ تھا لیکن اس سے پہلے جب سفر پر نکلتا تو میری شکل بہت خستہ حال اور زادِ راہ بہت تھوڑا ہوتا تھا اس کے بعد جب میں نکلتا تو سفر سے واپسی تک زیادہ خوش شکل اور سب سے زیادہ زادِ راہ والا ہوتا تھا (مجمع الزوائد)

سفر میں آدمی کی ایک ضرورت یہ ہوتی ہے کہ اس کا لباس وضع قطع شکل و شباہت اچھی ہو اور دوسری ضرورت یہ ہوتی ہے کہ زادِ راہ زیادہ ہو ان دونوں ضرورتوں کیلئے ظاہری ساز و سامان کا انتظام کرنا ضروری ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد ہی اصلی سامان ہوتا ہے ۔ وہی حالات کو سازگار کرنے والی اور برکت دینے والی ذات ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کا ایک ذریعہ وہ پانچ سورتیں ہیں جن کی رہنمائی رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے ۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے بذاتِ خود صحبت ہے ۔ مزید برآں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تجربے سے جو چیز ثابت ہو جائے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا ۔ حضرت جبیرؓ نے اپنا تجربہ بیان فرما دیا ہے ۔ آج ہم بھی رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی روشنی میں ان کے تجربے کو پیش نظر رکھ کر اپنے سفر کی ان دو اہم ضرورتوں کو پورا کر سکتے ہیں ۔ (مجمع الزوائد)

(3) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسولؐ ایک روز مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے ۔ صحابہ کرامؓ کی جماعت نہایت ادب و احترام سے آپ کی باتیں سُن رہی تھی ۔ حضورؐ نے اپنے ان اصحابہ کرامؓ کو ایک دلچسپ اور عبرت انگیز واقعہ سنایا ۔

آپؐ نے فرمایا کہ عرصہ ہوا بنی اسرائیل کی کسی وادی میں تین شخص رہتے تھے۔ ان میں ایک کوڑھی تھا دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا تھا۔ ایک روز اللہ تبارک تعالیٰ نے ان تینوں کو آزمانے کیلئے ایک فرشتہ بھیجا۔ یہ فرشتہ پہلے کوڑھی کے پاس گیا اور کہا میاں یہ تو بتاؤ کہ تمہیں کونسی چیز زیادہ پسند ہے۔ وہ بولا مجھے تو ایک خوبصورت اور تندروست بدن بہت پسند ہے اے کاش مجھے اس بدصورت اور بیمار بدن سے نجات مل جائے۔ فرشتے نے اپنا ہاتھ اُس کے جسم پر پھیرا اور وہ تندروست ہوکر ایک خوبصورت اور صحت مند انسان بن گیا۔ اُس نے اپنی یہ حالت دیکھی تو مارے خوشی اُس کے پاؤں زمین پر نہ لگتے تھے۔ پھر فرشتے نے اُس سے پوچھا اچھا بتاؤ تم اپنے لئے کونسا مال پسند کرتے ہو۔ وہ بولا مجھے اونٹ بہت پسند ہیں اگر مجھے اونٹ مل جائیں تو میں ان کی خوب دیکھ بھال کروں۔ فرشتے نے اُسے ایک اونٹنی عطا فرمائی اور دعا فرمائی اللہ اس میں برکت ڈالے۔

کوڑھی سے فارغ ہوکر فرشتہ گنجے کے پاس گیا اور پوچھا میاں گنجے تمہیں کونسی چیز زیادہ پسند ہے۔ گنجے نے کہا میں چاہتا ہوں کہ میرے سر پر خوبصورت اور گھنگریالے بال اُگ جائیں تاکہ لوگ مجھ سے نفرت نہ کریں اور گنجا نہ کہیں۔ فرشتے نے گنجے کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا تو اُس کا گنج دُور ہوگیا اور اُس کے سر پر خوبصورت گھنگریالے بال اُگ آئے جس سے اُس کی خوبصورتی دوبالا ہوگئی۔ وہ بہت خوش ہوا۔ اب فرشتے نے اُس سے پوچھا بھائی تم اپنے لئے کونسا مال پسند کرتے ہو۔ اُس نے کہا مجھے گائیں بہت پسند ہیں۔ اگر مجھے ایک گائے مل جائے تو میں اُس کی خوب دیکھ بھال کروں۔ یہ سُن کر فرشتے نے اُسے ایک گائے دی اور دُعا فرمائی کہ اللہ اس میں برکت ڈالے۔ اس کے بعد فرشتہ اندھے کے پاس گیا اور کہا میاں اندھے تمہیں سب سے زیادہ کس چیز سے محبت ہے۔ اندھے نے کہا میاں صاحب میں تو چاہتا ہوں کہ میری آنکھیں روشن ہوں میری بینائی لوٹ آئے تاکہ میں دنیا کے رنگ برنگے اور خوبصورت مناظر دیکھ سکوں۔ فرشتے نے اُس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو اُس کی بینائی لوٹ آئی اور وہ بالکل ٹھیک ہوگیا۔ اُس نے جب اپنے سامنے ایک اجنبی انسان کو دیکھا تو بہت خوش ہوا اور اردگرد کے خوبصورت مناظر دیکھ کر وہ پھولا نہ سماتا تھا۔ اُس کے بعد فرشتے نے اس سے پوچھا میاں تم اپنے لئے کونسا مال پسند

کرتے ہو۔اُس نے کہا مجھے بکریاں بہت پسند ہیں اگر مجھے بکریاں مل جائیں تو میں ان کی خوب دیکھ بھال کروں ۔فرشتے نے اُسے ایک بکری دی اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے ذریعے خوب برکت عطا فرمائے۔اس کے بعد فرشتہ چلا گیا۔اللہ کا کرنا کہ ان تینوں کے مال میں اللہ تعالیٰ نے بہت برکت ڈالی۔اونٹ والے کے اونٹوں سے ایک وادی بھر گئی وہ بہت خوش ہونے لگا لوگ بھی اُس کی عزت واحترام کرتے اسی طرح گائے والے کی گائیوں میں بے انداز اضافہ ہوا اور بکری والے کی بکریاں بھی پھیل گئیں۔

جب یہ تینوں اشخاص بہت مال دار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اُسی فرشتے کو بلایا اور کہا کہ اب میرے حکم کے ساتھ اُن تینوں کی پاس جاؤ اور دیکھو کہ کیا وہ لوگ مالدار ہونے کے بعد میرا شکر بھی ادا کرتے ہیں کہ نہیں۔فرشتہ اللہ کا حکم لیکر پہلے کوڑھی کے پاس گیا اور کہا بھائی میں ایک غریب مسافر ہوں سفر کے دوران میرا سب کچھ لُٹ گیا ہے اس اللہ کے نام پر میری مدد فرمائیں جس نے تمہیں ایک خوبصورت جسم اور بہت سارا مال عطا فرمایا ہے۔مجھے ایک اونٹ عطا کریں کہ میں اپنا سفر جاری رکھ سکوں۔اونٹ کا نام سُن کر وہ شخص بھڑک اُٹھا بولا احرام خور منہ اٹھائے چلے آتے ہیں کیا اونٹ کوئی مفت دینے والی چیز ہے بھاگ جاؤ اور دوبارہ اونٹ کا نام بھی نہ لینا میرے پاس تمہیں اللہ کے نام پر دینے کیلئے کچھ نہیں ہے ۔فرشتے نے کہا میاں تم تو مجھے کچھ جانے پہچانے نظر آتے ہو کیا تم پہلے کوڑھی نہ تھے اور لوگ تم سے نفرت کرتے تھے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں ٹھیک کیا اور اتنے سارے اونٹ بھی عطا فرمائے ۔یہ سُن کر وہ شخص غضب ناک ہو گیا اور کہا میں کبھی کوڑھی نہ تھا شروع سے ہی اچھا بھلا انسان تھا اور یہ سارا مال مجھے اپنے باپ دادا کی وراثت میں ملا ہے تم جھوٹ کہتے ہو بھاگ جاؤ یہاں سے فرشتے نے ہاتھ اُٹھائے اور دعا کی کہ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اُسی پہلے والی حالت میں لُٹا دے۔

اِس کے بعد فرشتہ گنجے کے پاس گیا اور کہا جناب میں ایک بوڑھا مسافر ہوں، میرا کھانے پینے کا تمام سامان ختم ہو گیا ہے۔اگر تم مجھے ایک گائے اللہ کے نام پر دے دو تو میں اُس کا دودھ پی کر اپنا سفر جاری رکھ سکوں۔گنجا یہ سُن کر آگ بگولا ہو گیا اور فرشتے کو خوب ڈانٹ پلائی اور کہا

خبردار اگر مجھ سے دوبارہ گائے مانگی۔ میرے پاس جو کچھ ہے میری ذاتی محنت کی کمائی ہے۔ آ جاتے ہو منہ اُٹھائے ہوئے کیا گائے بھی کوئی مفت بانٹنے کی چیز ہے۔ فرشتے نے کہا بھائی تم تو مجھے جانے پہچانے لگتے ہو کیا تم وہی گنجے نہیں ہو جس سے لوگ نفرت کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں خوبصورت گنگریالے بال عطا فرمائے اور بہت سارا مال بھی دیا۔ یہ سُن کر گنجا آپے سے باہر ہو گیا اور کہا بال تو میری پیدائش کے وقت سے ہیں میں کبھی گنجا ونجا نہ تھا تم جھوٹ کہتے ہو اور یہ سارا مال بھی میری محنت کا کمایا ہوا ہے۔ فرشتے نے ہاتھ اُٹھائے اور دعا کی کہ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے اُسی حالت میں لُٹا دے۔

اِس کے بعد فرشتہ اندھے کے پاس گیا اور کہا جناب میں ایک غریب مسافر ہوں میرے پاس کھانے پینے کو کچھ نہیں۔ اگر تم اللہ کے نام مجھے ایک بکری دے دو تو میں سفر جاری رکھ سکوں اندھے نے جب اللہ کے نام مانگنے کا سُنا تو اُس کے آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اُس نے خود ہی اپنا سارا حال سُنا کر کہا بھائی یہ سب کچھ اللہ نے ہی عطا کیا ہے اُسی کا ہے۔ تم جو کچھ چاہتے ہو اُس کے نام پر لے لو مجھے بے حد خوشی ہو گی۔ فرشتے نے اُسے مبارک دی اور کہا تم اللہ کی آزمائش میں کامیاب ہو گئے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں مزید برکت ڈالے۔ تمہارے ساتھیوں پر اللہ نے ناشکری کی وجہ سے بیماریوں کو مسلط کر دیا ہے اور وہ اُسی پرانی حالت میں ہو گئے ہیں۔ (صحیح بخاری)

یہ ہے اللہ کی آزمائش کہ وہ اپنے ہی دیئے ہوئے مال کا جب کچھ حصہ اپنے نام پر مانگتا ہے۔ بہت سے لوگوں کو غصہ آ جاتا ہے اور اللہ کے نام پر دینا گراں گزرتا ہے۔ لیکن اللہ کے کچھ بندے اپنی ہر چیز کو اللہ کا مال سمجھتے ہیں اور خوشی کے ساتھ اُس کے نام پر دے دیتے ہیں۔ اللہ ہم کو اِس کی سمجھ عطا فرمائے اور اپنے نام اپنے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرنے کی توفیق بخشے۔۔

(4) حضرت ربیعہ بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی دن بھر خدمت کرتا یہاں تک کہ عشاء کی نماز ہو جاتی۔ آپ ﷺ اپنے گھر چلے جاتے تو میں آپؐ کے دروازے پر بیٹھ جاتا کہ شائد حضورؐ کو کسی خدمت کی ضرورت پیش آ جائے۔ میں رسول اللہ ﷺ کی تسبیحات سبحان اللہ

وبجدہ کی آواز سنتا رہتا۔ تھک جاتا تو واپس آجاتا یا وہیں سوجاتا۔ ایک دن آپؐ نے فرمایا! ربیعہ مجھ سے جو مانگنا چاہو مانگو میں دونگا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ مجھے سوچنے کی مہلت دیجئے۔ پھر عرض کرونگا۔ اس کے بعد میں نے سوچ بچار کی۔ میں نے سوچا کہ دنیا تو ختم ہونے والی چیز ہے۔ مجھے تو آپؐ سے اپنی آخرت کے لئے سوال کرنا چاہئے کیونکہ آپؐ کا اللہ کے ہاں بہت اونچا مقام ہے۔ میں یہ سوچ کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے پوچھا ربیعہ فیصلہ کرلیا؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہؐ میں نے سوچا کہ دنیا تو فنا ہونے والی چیز ہے دنیا میں بقدر گذارہ مجھے رزق مل رہا ہے اور ملتا رہے گا میں کیوں نہ رسول اللہ ﷺ سے اپنی آخرت کے بارے میں سوال کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک طویل خاموشی اختیار کی پھر فرمایا ربیعہ میں شفاعت کرونگا لیکن آپ کثرت سے سجدے کر کے اس سلسلہ میں میری اعانت کریں۔(مسند احمد)

اِس حدیث میں غور کے دو پہلو ہیں۔

(i) کوئی بہت بڑی ہستی جو سب کچھ دے سکتی ہو۔ آپ سے کہے مانگو کیا مانگتے ہو دیا جائے گا تو آپ کا کیا جواب ہوگا آپ خود ہی بہتر جانتے ہیں۔ لیکن حضرت ربیعہ کا جواب کوئی فوری ردِ عمل نہ تھا سوچا سمجھا پھر جواب دیا۔ دنیا کے بارے میں خوب سوچا پھر آخرت میں جہنم کی آگ سے آزادی کو ترجیح دی۔

(ii) نبی پاک ﷺ کی طویل خاموشی کے دوران حضرت ربیعہؓ کے دل پر کیا کیا نہ گزر گیا ہو گا۔ ہم تو سمجھتے ہیں بلکہ بہانگِ دہل کہتے ہیں کہ شفاعت ہوگی چاہے کتنے ہی گناہ کیوں نہ کئے ہوں۔ بیڑا پار لگ جائے گا۔ لیکن رسول اللہؐ خود فرماتے ہیں کہ ربیعہ زیادہ سجدوں سے میری اطاعت کرو۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بندہ کچھ نیکیاں کرے گا نمازیں پابندی سے ادا کرے گا اور اپنے آپ کو نبیؐ کی شفاعت کے قابل بنائے گا تب جا کر شفاعت نصیب ہوگی۔

(5) حضرت ابی طلحہٰ انصاریؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ آپؐ کا چہرہ چمک رہا ہے۔ میں نے عرض کیا! یا رسول اللہ! میں نے آج کی طرح

آپؐ کو کبھی ہشاش بشاش اوراتنی چمک دار پیشانی والا نہیں پایا۔آپؐ نے فرمایا! میں کیوں راضی نہ ہو جاؤں اور میرے چہرے پرخوشی کے آثار کیوں ظاہر نہ ہوں۔جب کہ جبرائیل ابھی مجھ سے جدا ہوئے اور یہ کہہ کر گئے ہیں:اے محمدؐ!آپ کی امت میں سے جوکوئی آپ پردرود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کے لئے دس نیکیاں لکھیں گے۔دس گناہ مٹائیں گےاوراس کے دس درجے اونچے کریں گےاورایک فرشتہ اس شخص کے لئے وہی دعا کرے گا جو دعا اُس نے درود کی صورت میں آپ کے لئے کی ہے۔میں نے کہا جبرائیل!وہ کونسا فرشتہ ہے اُس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جب سے آپ کو پیدا کیا ہے اس وقت سے لے کرآج تک اوراس وقت تک جب آپ کوقیامت کے روز اٹھایا جائے گا آپؐ کے امت کا جوآدمی آپؐ پردرود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس کودعا دینے کیلئے مقرر کردیا ہےاورفرشتہ کہتا ہے کہ تجھ پراللہ تعالیٰ نے اس طرح درود بھیجا۔(طبرانی)

نبیﷺ پردرود بھیجنے کی کتنی بڑی فضیلت ہے،جس پرآپؐ اتنے خوش ہوئے جتنے پہلے کبھی بھی خوش نہیں ہوئے تھے۔بدقسمتی سے بہت سے مسلمان آپؐ پردرود بھیجنے میں سستی اورغفلت برتتے ہیں اوراس فضیلت سے محروم رہتے ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ درود شریف اللہ تعالیٰ اور آپ کے پیارے نبیؐ کوخوش کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے جس کی برکت درود پڑھنے والے کوبھی بے حساب ملتی ہے نبیﷺ پر رحمتوں کی بارش سے پڑھنے والے کوبھی پورا حصہ ملتا ہے۔پھرسستی اورغفلت کا کیا جواز ہے؟خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ ہم نبیﷺ سے محبت کے دعوے دار بھی ہیں۔اس عمل کی طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم کے مطابق تمام مریدوں کوروزانہ ایک ہزار مرتبہ درود شریف''**صَلَّی اللّٰہ عَلَیْكَ یَارَسُولَ اللّٰہ**''ضرور پڑھنا چاہئے۔

محتاجی کا دروازہ

﴿اوریا مقبول جان﴾

رحمت کائنات، سرکار دو عالمﷺ نے دنیا میں ہاتھوں کے تین درجے بتائے ہیں۔فرمایا ''سب سے اول اور بالا ہاتھ خداوند تعالیٰ کا ہے، دوسرا ہاتھ دینے والا ہاتھ ہے جو اللہ کے ہاتھ کے پیچھے ہے اور تیسرا لینے والا ہاتھ ہے جو پست ترین ہے''۔اِس کے بعد فرمایا: سوال، بدترین ذلت ہے خواہ باپ ہی سے کیوں نہ ہو۔میرے کمزور اور بے مایہ علم کے مطابق احادیث کی کتابوں میں مجھے کوئی ڈیڑھ سوایسی روایتیں ملی ہیں، جو دستِ سوال دراز کرنے کی مذمت کرتی ہیں۔

آپؐ ایک مکان کے باہر اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص کا گزر ہوا۔لوگوں نے کہا کہ یہ رات دن عبادت میں مصروف رہتا ہے۔آپ نے پوچھا اس کے کھانے پینے کا بندوبست کون کرتا ہے؟ لوگوں نے کہا: اس کا بھائی۔آپﷺ نے فرمایا اس کے بھائی کا درجہ ثواب میں اس سے بہت زیادہ ہے، جو اس کو کھلا کر عبادت کے قابل بناتا ہے۔

ایک شخص کا ذکر رسول کریمﷺ کے سامنے کیا گیا کہ وہ دن رات عبادت میں مصروف رہتا ہے۔آپ نے پوچھا اس کو کھلاتا پلاتا اور اس کے بچوں اور جانوروں کی دیکھ بھال کون کرتا ہے۔لوگوں نے عرض کیا ہم لوگ۔آپ نے فرمایا: تم سب اس سے بہتر ہو۔

فرمایا: جو مانگنے کی عادت ڈالتا ہے اللہ اس پر محتاجی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔پھر فرمایا: ملعون ہے وہ شخص جو اللہ کا نام لے کر سوال کرے۔آپ نے فرمایا: جس کے گھر میں ایک وقت کی خوراک موجود ہے اور وہ سوال کرے تو ایسا شخص اپنے لئے کثرت سے دوزخ کی آگ طلب کرتا ہے۔جس ہادیٔ برحق نے اپنی اُمت کیلئے غیرت وحمیت اور عزت وسرفرازی کا راستہ چنا تھا۔وہ جب تک مانگنے کی لعنت سے دور رہی وہ عزت وتوقیر کے مقام پر سرفراز رہی۔عرب کے بادیہ نشین جن کے کپڑوں پر پیوند لگے ہوتے تھے اور جن کے حکمرانوں کے دسترخوانوں پر کبھی غریب

آدمی کے گھر پکنے والے کھانے سے بہتر کھانا میسر نہ تھا۔اپنے وقت کی دو سپر پاورز، ایران اور روم سے ٹکرا گئے اور ان طاقتوں کا وجود صرف تاریخ کے صفحات تک باقی رہ گیا۔

اِن احادیث کے بعد جب میں بحیثیت قوم اپنی کم مائیگی، ذلت، غربت اور محتاجی کو دیکھتا ہوں تو مجھے کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کسی ایک انسان کا قصور تو معاف کر دیتا ہے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اس نے قوموں کے قصور معاف نہیں کیے۔ ہم اِس خطے کے رہنے والے ہیں جو پاکستان بننے سے پہلے پورے ہندوستان کو گندم مہیا کرتا تھا اور ایک دانہ بھی کسی سے امداد، بھیک یا خیرات نہیں لیتا تھا۔ لیکن پچاس کی دہائی میں جب بھرے ہوئے گوداموں کے باوجود جب PL480 کے تحت امریکہ سے گندم منگوائی گئی اور اونٹ گاڑیوں پر پورے کراچی شہر میں اس امداد یا بھیک کا جلوس اس طرح نکالا گیا کہ ہر اونٹ کے گلے میں ایک تختی لٹک رہی تھی جس پر Thank you Amrica کے الفاظ درج تھے تو اللہ نے ہم پر محتاجی کے دروازے کھول دیئے۔

جو قوم 1970ء تک اپنے 80 فیصد تعلیمی ادارے رفاحی بنیادوں پر چلاتی تھی۔ انجمنِ حمایت اسلام کے اسلامیہ کالجوں سے زمیندار کالج تک، گارڈن کالج سے ایف سی کالج اور اردو سائنس کالج تک سب چندروپے فیس اور مخیّر حضرات کی امداد پر چلتے تھے۔ اسلامیہ سکولوں کا جال تھا جو پورے ملک میں پھیلا تھا۔ جہاں مزدور کے بچے اور امیر کے صاحبزادے سب ایک یا دو روپیہ دے کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ صدیوں پرانے یتیم خانے، رفاہی شفاخانے، بیواؤں کے ادارے، نابیناؤں کے سکول، معذوروں کے فلاحی ادارے سب اس قوم کے ماتھے کا جھومر تھے۔ مگر بھلا ہو اِس ماڈرن زمانے کی این جی اوز کا کہ جو قوم 40 سال تک اپنے مخیّر حضرات کی فراخ دلی سے یہ ادارے چلاتی تھی، وہ ڈونرز کی محتاج ہو گئی۔ یہ پرانے ادارے مردود ٹھہرے اور اجتماعی ترقی، سماجی شعور، حقوقِ نسواں اور چائلڈ لیبر کیلئے سیمینار اور مذاکرے منعقد کرنے والی این جی اوز محترم۔ پھر محتاجی کا دروازہ یوں کھلا کہ ہر بڑے ملک کے سفارت خانے نے اپنا ایک ڈونر سیل کھولا

جسے موجودہ دور کا خیرات خانہ کہا جا سکتا ہے اور ہمارے ملک کے یہ ریفارمر لمبی لمبی عرضیاں جنہیں وہ Feasibillty کہتے ہیں، لے کر لائن میں لگ گئے، بھیک ملنے لگی اور جس در سے بھیک ملتی ہے اسی کو دُعائیں دی جاتی ہیں۔ اُسی کے کتوں کے بھونکنے پر بھی انہیں پیار کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ کیا ہماری اولادیں راڈو کی گھڑیاں پہن کر زکوۃ کے سکالرشپ کی درخواستوں پر جھوٹے انکم سرٹیفکیٹس نہیں جمع کرواتیں اور پھر اس بھیک کو فخر سے استعمال نہیں کرتیں۔ کیا قحط سالی کے عالم میں ایسے گھر نہیں تھے جو گھروں میں گندم کے ذخیروں کے باوجود خیرات کی بوریاں لوٹتے رہے

کیا ہم نے حیثیت رکھتے ہوئے سیلاب میں بہہ جانے والے گھروں پر زکوۃ اور ریلیف سے امداد حاصل نہیں کی۔ کیا ہمارے کسی بڑے گھر میں عرب شیخوں، امریکیوں اور یورپ والوں کی خیرات میں دیئے گئے خیمے، کمبل یا بستر موجود نہیں۔ ہم لوگ بھی کس مٹی کے بنے ہیں کہ جس ہاتھ کو میرے آقا و مولا ﷺ نے سب سے کمتر، پست اور ذلت والا ہاتھ قرار دیا ہے اسے لہرا لہرا کر ٹی وی، ریڈیو اور اخبار میں دکھاتے ہیں کہ آج اس پھیلے ہوئے ہاتھ کو اتنی بھیک ملی، اتنی امداد میسر آئی تو پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک وقت کی خوراک کی موجودگی میں سوال کرنے والے کو جہنم کی آگ ملے اور برسوں کی جمع پونجی رکھ کر امداد مانگنے کیلئے اللہ ان کی دنیا کو جنت بنا دے۔ اس کا تو قول ہے جو مانگنے کی عادت ڈالتا ہے میں اس پر محتاجی کا دروازہ کھول دیتا ہوں۔

ترانۂ توحیدیہ

ہر وقت تصور ہے تیرا، ہر وقت سرور و مستی ہے

تم خود ہو مجسم میخانہ، آنکھوں سے شراب برستی ہے

ذرا گھونگھٹ رُخ سے اُٹھا جاناں، تیری دید کو آنکھیں ترستی ہیں

بھلا اس میں بگڑتا ہے کیا تیرا میرے دل کی دنیا بستی ہے

ساغر میں کہاں یہ رنگینی، صہبا میں یہ ساقی کیف کہاں

یہ تیری نظر کا صدقہ ہے یہ تیری نظر کی مستی ہے

مخمور جوانی میں کوئی فردوس بداماں آتا ہے

گلشن کی فضائے ہستی میں پھولوں کی شراب برستی ہے

اے جان تمنا حزیں، اے حاصل ایماں حاصل دیں

قربان میں تیرے قدموں پہ کیا دل کیا دل کی ہستی ہے

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام
اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے
ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان
زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:-
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین
کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا
اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

Reg: SR - 01

Website: www.toheedia.net